[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

# ދިވެހި ތާރީޚް

٩١

[illegible]

[illegible]

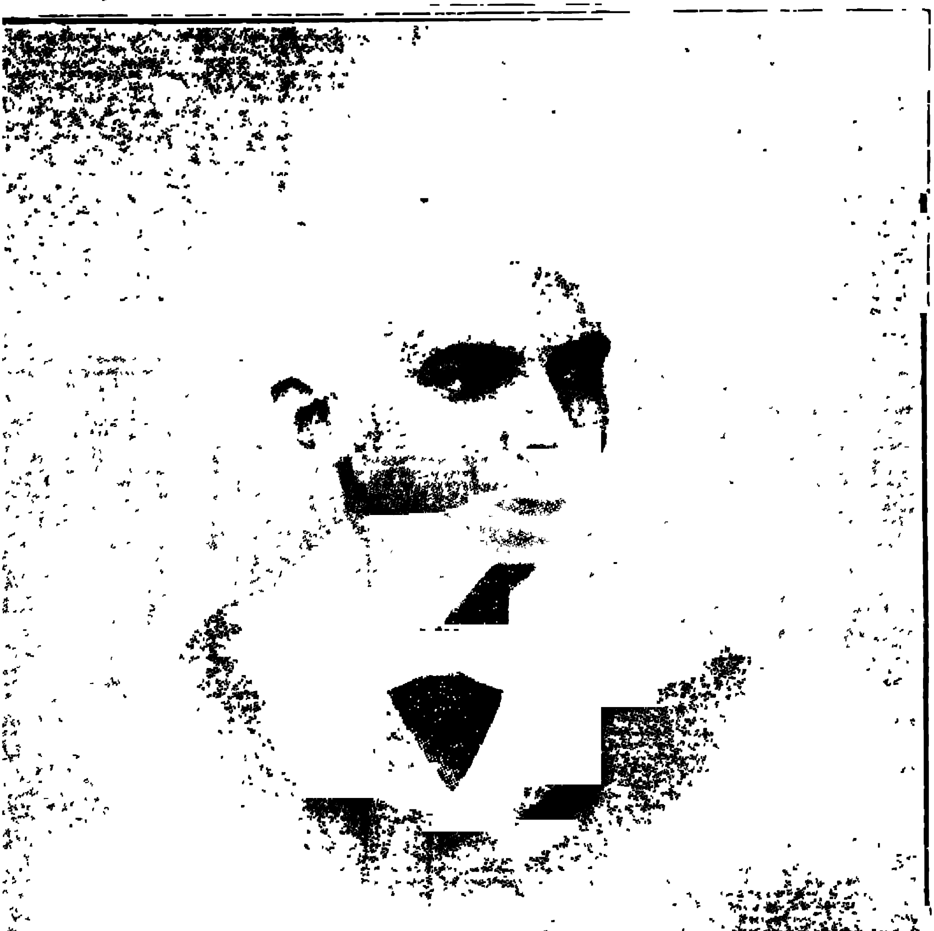
[illegible]

[illegible]

[illegible]

## حصۂ اول

# مذہبی ماحول



**MAHATMA GANDHI**

*(As a law-student in London 42 years ago)*

[illegible]

[illegible]

کا ذاتی طور پر مطالعہ کرنے کے بعد بہت عرصہ قبل کھینچا تھا۔ یہ محض حسن اتفاق ہے کہ مہاتما گاندھی کے خیالات کے بارے میں میری ذاتی رائے بہت سی حد تک اُن کی رائے کے ساتھ تطابق کھا گئی ہے۔ ایک اعتبار سے موجودہ کتاب کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ رولینڈ کی زبردست کتاب کے ضمیمہ کا درجہ رکھتی ہے۔ معرکۃ الآرا تصنیف ہونے کی حیثیت سے اسمیں گاندھی کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی مثال کسی زبان میں نہیں مل سکتی، مگر مجھے امید ہے کہ جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے اُسے انفرادی تصویر کی حیثیت سے ممکن ہے قابل قدر قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ اسکی بنیاد مہاتما گاندھی کے ساتھ پندرہ سال سے زیادہ کی دوستی، ذاتی تعلقات اور ذاتی ربط ضبط پر قائم ہے

میں نے بعض مشمولہ اقتباسات کو اور زیادہ مختصر کرنیکی جرأت کی ہے تاکہ جو محدود جگہ میرے پاس ہے اُس کا بہترین استعمال کیا جا سکے۔ اُن ہندوستانی الفاظ کی مختصر فہرست جو متن کتاب میں متعدد بار استعمال میں آئے ہیں، اِس جلد کی ابتدا میں درج کر دی گئی ہے اور میں نے اُن مزید مشکلات کی جو مغربی قارئین کو پیش آ سکتی تھیں حواشی میں تشریح کر دی ہے

میرے عزیز رفیق پرنسپل رابرٹ روسا موٹن اور اُن کے عملہ نے (ٹسکیگی واقع الاباما میں) طباعت کی غرض سے اس کتاب کی تیاری میں اُس زمانہ میں جبکہ میں ٹسکیگی میں اُن کے یہاں مقیم تھا، ازراہ نوازش بے حد

امداد فرمائی ہے ۔ میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ میں اس کتاب کو
اُن کے نام نامی کے ساتھ نسبت دے رہا ہوں ۔ ساتھ ہی میں نہایت خوشی کے
ساتھ مس اسٹوری، رگھو ناتھ راؤ اور جولیٹ راؤ مقیم جنیوا کا اور امریکہ
کی اس جدید دنیا میں بشپ پیڈک اور مسز پیڈک کربی پیج، رچرڈ گریگ،
ڈاکٹر اینسن فیلپس اسٹوکس، ڈاکٹر جیس جونز، چارلس گلکی، ولبر ٹامس،
ہربرٹ اس موزمدار، بین چیرنگٹن و ایڈیتھ چیرنگٹن، مسز روتھ کرینسٹن، ڈاکٹر
ہیلن ریڈ اور کرتار سنگھ کا بھی شکر گذار ہوں

اس طویل فہرست سے جسے اور بھی طویل بنایا جا سکتا تھا، ظاہر
ہو سکے گا کہ مجھے اپنے دوستوں کی محبت آمیز خدمت پر کس حد تک اعتماد
کرنا پڑا ہے تاکہ میں مطلوبہ مدت میں اس کتاب کو منصۂ شہود پر لا سکوں
مسٹر ایچ، ایس، ایل، پولاک نے جو مہاتما گاندھی کے اور میرے مدت العمر
کے دوست ہیں انگلستان میں پروفون کی تصحیح کی ذمہ داری قبول فرمائی
ہے کیونکہ میں برطانوی گائنا میں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے کتاب کی
طباعت کے وقت انگلستان میں موجود نہ ہونگا

---

BISHOP PADDOCK ۳ JULIETTE ۲ MISS STOREY ۱

RICHARD GREGG ۵ KIRBY PAGE ۴

DR. JESS JONES ۶ DR. ANSON PHELPS STOKES ۷

B. CHERRINGTON ۱۰ W. THOMAS ۹ CHARLES GILKEY ۸

H. S. L. POLAK ۱۳ HELEN REID ۱۲ MRS. RUTH CRANSTON ۱۱

[illegible]

# عام ہندوستانی الفاظ کی مختصر فہرست جو کتاب میں استعمال ہوئے ہیں

## احترام کے القاب

| لفظ | معنی |
|---|---|
| مہاتما | مہاتما گاندھی کا لقب جس کے معنی بڑی روح کے ہیں |
| گرودیو | ٹیگور کا لقب جس کے معنی محترم استاد کے ہیں |

## دو مذہبی ادارے

| لفظ | معنی |
|---|---|
| سابرمتی آشرم | مہاتما گاندھی کا مذہبی ادارہ جو احمدآباد کے قریب واقع ہے |
| شانتی نکیتن آشرم | رابندرا ناتھ ٹیگور کا مذہبی ادارہ جو کلکتہ کے قریب واقع ہے |

## الفاظ جو ستیاگرہ میں استعمال کئے گئے تھے

| لفظ | معنی |
|---|---|
| اہنسا | عدم تشدد |
| ستیا | سچائی |
| ستیاگرہ | سچائی کی طاقت یا روحی طاقت |
| ستیاگرہی | روحی طاقت پر عمل پیرا ہونے والا |

## مسلمانوں کے مذہبی مصطلحات

| لفظ | معنی |
|---|---|
| اسلام | حضرت محمد (صلعم) کا مذہب |

| لفظ | معنی |
|---|---|
| مسلم | متعلق بہ اسلام یا مسلمان |
| مسلمان | پیرو اسلام |
| خلافت | خلیفۃ المسلمین کا عہدہ |
| خلیفہ | مسلمانوں کا مذہبی پیشوا |

## سنسکرت کی کتب مقدسہ

| | |
|---|---|
| وید | قدیم ترین مذہبی گیت |
| اپنشد | قدیم ترین مذہبی فلسفہ |
| پران | ہندوؤں کے مقدس قصص |

## ہندو مذہب

| | |
|---|---|
| دھرم | مذہب |
| ورن آشرم دھرم | ذات پات کا دھرم |
| سناتن دھرم | قدیم ہندو مذہب |
| سناتنی | راسخ الاعتقاد ہندو |

## چار ذاتیں

| | |
|---|---|
| برہمن | پہلی ذات (علم) |

## [illegible]



## [illegible]

| لفظ | معنی |
| --- | --- |

## سیاسی مصطلحات

| | |
| --- | --- |
| سودیشی | وطنی یا وطن کی بنی ہوئی |
| سوراج | حکومت خود اختیاری، مکمل حکومت |

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چھا جاتے ہیں۔ خود سمندر عام طور پر ایک چمکدار منظر پیش کرتا ہے جس
کے پانی کا رنگ سبز ہے اور جہاں مچھلیوں کے جھنڈ کے جھنڈ پڑے
رہتے ہیں میں نے اونچائی پر بیٹھ کر گھنٹوں اس کے تغیر پذیر رنگوں
کا مشاہدہ کیا ہے بالخصوص اُس وقت جبکہ سورج کی کرنیں اُس پر رقص
کرتی ہیں۔ وہ چھوٹا سا شہر جہاں موہن داس گاندھی پیدا ہوئے تھے
تقریباً سمندر ہی سے نکلتا ہوا نظر آتا ہے اور طلوع آفتاب اور غروب
آفتاب کے وقت جب ترچھی کرنیں اُس پر گرتی ہیں تو وہ نور کا پیکر بن جاتا
ہے، اور اس کے مینار، برجیاں اور کلس سنہری رنگ میں رنگ جاتے ہیں

برخلاف اس کے موروی لندر کی طرف صحرائے راجپوتانہ کے لق و دق ویرانہ
کے قریب واقع ہے جو شمال کی جانب مسلسل میلوں تک پھیلا ہوا ہے ۔
موروی کی زمین پہاڑی ہے اور سارے کا سارا ملک ناہموار سطح
رکھتا ہے۔ غالباً یہ قیاس کی کارفرمائی نہ ہوگی اگر اس امر پر یقین کر لیا
جائے کہ ان دونوں بڑے ریفارمروں میں سے ہر ایک کا بچپن اپنے
ماحول سے بیحد متاثر ہوا ہے

گاندھی جن کے مکان کے قریب سمندر کی لہریں ٹکرا ٹکرا کر ہر وقت آواز
پیدا کرتی رہتی ہیں، اپنی فطرت میں ستور رنگ بھی رکھتے ہیں جو دنیا میں
میں اس قدر واضح طور پر نظر نہیں آتا۔ سیرت کے اعتبار سے ہر دو مذاہب
کو ہر قسم کی آلائش سے پاک رکھنے کے حامی ہیں اور جنوب میں یعنی ہندوؤں
کے ہندوستان میں ہند و مذہب کو جس کثرت و افراط کے ساتھ علانیہ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

لیکن جن سخت تکالیف کے ماتحت اُن کے اہل ملک وہاں زندگیاں بسر
کر رہے تھے اس نے انہیں ترغیب دی کہ وہ انہی کے ساتھ ٹھہریں اور
اُن کی مصائب میں حصہ لیں۔ جنوبی افریقہ میں انہیں بیرسٹر کی حیثیت سے
پریکٹس کرنے کی اجازت مل گئی اور ہندوستانیوں کے مقدمات چلانے والے
مشہور وکلا میں اُن کا شمار ہونے لگا یا یک ماہ میں اُن کی آمدنی ....۵ پونڈ سالانہ
سے تجاوز کر گئی۔ اِس دنیاوی خوشحالی اور ظاہری کامیابی کے دوران
میں ٹالسٹائی کے جاری کردہ مطمح نظر نے جو عرصہ دراز سے اُن کے زیر
غور رہا تھا عقیدہ کی ایسی پختگی کے ساتھ اُن کے دل پر اثر کیا کہ انھوں نے
بالآخر مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر مفلسی کی زندگی اختیار
کر لیں تاکہ وہ اپنے تمام افعال و اعمال میں راہبانہ زہد اور کلی عدم
تشدد کو عملی جامہ پہنا سکیں

ٹالسٹائی کی تعلیم نے انہیں پہاڑی کے وعظ کا مطالعہ کرنے کی طرف متوجہ
کر دیا اور اِس نے ان کے اندرونی مقاصد کو واضح تر اور روشن تر بنا دیا
انھوں نے اس وعظ کو ان نصائح سے جا ملایا جو بچپن میں انہیں بحیثیت
وشنو کے اُن کی والدہ کی طرف سے کی گئی تھیں جس طور پر یہ سب باتیں
ظہور پذیر ہوئیں، خود ان کے الفاظ سے عیاں ہو جائیگا جو موجودہ جلد
میں مختلف مقامات پر درج کئے گئے ہیں

ٹالسٹائی کی اور پہاڑی کے وعظ کی براہ راست تعلیم کے متعلق

مہاتما گاندھی نے ہمیشہ یہ بات ظاہر کی ہے کہ اگرچہ انجیل میں اُن دو قولوں میں کوئی نئی یا عجیب و غریب بات نہیں ملی تاہم اس کے باوجود حضرت عیسیٰ کے الفاظ اُن کے لئے زندہ الہام اور روحانی طاقت ثابت ہوئے اور یہ کہ وہ الفاظ ذاتی طور پر ان کی زندگی کے نازک ترین موقع پر نہایت ہی قیمتی ثابت ہوئے۔ بالخصوص جبکہ وہ لندن میں دہریت کے سیلاب میں بہنے کے قریب ہو گئے تھے۔ بالآخر اس گڑھے سے وہ بچا لئے گئے

اِس زمانہ کے بعد سے وہ جب تک جنوبی افریقہ میں رہے اِن نئے اصولوں کو عملی جامہ پہنانے میں پورے طور پر منہمک رہے۔ ایک طرف ضبطِ نفس اور اندرونی پاکیزگی کے ذریعہ اور دوسری طرف اپنے اہلِ ملک کی خاطر جد و جہد اور مقاومت مجہول (ستیاگرہ) کی اخلاقی جنگ کے ذریعہ مہاتما گاندھی سے میری پہلی ملاقات اُن سے اُس زمانہ میں ہوئی جبکہ نیٹال میں مقاومت مجہول کی جنگ قریب الختم تھی۔ بعد میں ہمارے تعلقات گہرے ہو گئے اور میں اُن کے ساتھ رہنے لگ گیا۔ اثنا میں مقاصد میں شریک رہا اور طالبِ حق کی حیثیت سے میں ان کے ذاتی خیالات و خواہشات کے بارے میں بھی استفسارات کرتا رہا۔ یہ دوستی میری عجیب و غریب بشاش زندگی میں عظیم ترین برکات کا موجب رہی ہے۔ اُس نے مجھے اُن کے اصولوں اور طریقوں کا ایسے گہرے طریقہ سے مطالعہ کرنے کے قابل بنا دیا کہ میرے لئے اب یہ معلوم کر لینا ایک حد تک آسان ہو گیا ہے کہ اُن کی کون کون سی تحریرات ایسی ہیں جو نہایت واضح طور پر

ان کے خیالات کا مرقع پیش کر سکتی ہیں
سنہ ۱۹۱۵ء کی ابتدا میں اُن کے ہندوستان واپس آ جانے کے بعد مجھی خوش قسمتی سے مجھے اُن کی معیت میں کافی مدت تک رہنے کا اتفاق ہوا خصوصیت کے ساتھ میری معیت اُس وقت حاصل ہو جاتی تھی جب کبھی وہ خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ ایسے دو موقعوں پر سنہ ۱۹۱۸ء میں اور سنہ ۱۹۲۴ء میں ـ میں اُن کے ساتھ دن رات رہتا تھا اور اُن کی حالت یہ تھی کہ وہ قریب قریب موت کے منہ میں پہنچ چکے تھے۔ اِن دونوں مواقع پر اُن کے صحت یاب ہونے کے دوران میں بالعموم روزمرہ کے کام کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا اور اس لئے ذاتیات کے متعلق گفتگو اور موقعوں کے مقابلہ میں خلافِ توقع زیادہ رہا کرتی تھی کیونکہ اُسوقت وہ پبلک کاموں سے گھرے رہتے تھے۔ مہاتما گاندھی کی سیاسی زندگی میں سب سے بڑا انقلاب سنہ ۱۹۲۰ء میں رونما ہوا جبکہ انھوں نے اُن مظالم کے لئے جو اُنکے ملک کے خلاف امرتسر میں ڈھائے گئے تھے اور دوران جنگ میں ہندوستانی مسلمانوں سے کئے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزیوں کے لئے ندامت و پشیمانی کا کھلا ثبوت حاصل کرنے میں بار بار کی ناکامی کے بعد اِس امر کا اعلان کر دیا کہ وہ آیندہ برطانوی حکومت کے ساتھ موالات نہیں کرینگے۔ اُس تحریک کی جزوی ناکامی جو بمبئی اور چورا چوری میں تشدد کے مظاہرات کے سبب اپنے ساتھ ردِ عمل بھی لائی اور وہ ذاتی طور پر اس امر کے لے تیار ہو گئے کہ سیاسی جدوجہد

سے علیحدگی کرلیں لیکن انہیں تشدد کے مظاہرہ کے فوراً بعد ہی گرفتار کرلیا گیا اور قید کردیا گیا۔ اور ۲۴ء میں انہیں رہا کردیا گیا۔ اس وجہ سے کہ ان کی صحت شدت کے ساتھ خراب ہوچکی تھی۔ قید کی حالت ہی میں وہ مرض زائدۃ الاعور کے لئے خطرناک آپریشن برداشت کرنے پر مجبور ہوئے جس سے وہ بہت طویل عرصہ کے بعد رو بصحت ہوئے

اس کے بعد کا سب سے نمایاں واقعہ ۲۱ دن کا برت ہے جو انھوں نے ۱۹۲۴ء کے آخر میں دہلی میں رکھا۔ اس غرض سے کہ ہندو مسلمانوں کے باہمی فساد کا تدارک ہوجائے۔ ان فسادات میں خوب خونریزی ہوئی تھی اور مہاتما گاندھی نے عامۃ الناس کے گناہوں کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی اس برت کے مقابلہ میں اور کوئی اثر ڈالنے والا واقعہ زمانۂ حال کی تاریخ ہند میں وقوع پذیر نہیں ہوا۔ وہ بہت ہی مقدس واقعہ تھا نہ صرف اُنکے وفادار پیروؤں کی چھوٹی سی جماعت کے لئے جو دوران برت میں ہر وقت ان کے گرد و پیش رہا کرتے تھے بلکہ سارے ہندوستان کے لئے۔ اس برت کا کم سے کم یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ ہندوستان میں دونوں مذاہب کے لیڈروں نے اپنی مشکلات کا روحانی بنیاد پر مشترکہ حل معلوم کرنے کے سلسلہ میں سخت کوششیں کیں

زیادہ حال کے واقعات کا اس دیباچہ میں اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں صحت کی کمزوری جس نے ان تمام سالوں میں مہاتما گاندھی کا

[illegible]

مراسم اور کتبِ مقدسہ کے مخصوص الفاظ کے بچپن ہی سے عادی ہیں لیکن
دوسرے لوگ عادی نہیں ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ شاعر رابندرناتھ
ٹیگور نے مجھ سے فرمایا تھا کہ "زبور میں قتلِ انسانی کے جو واقعات درج
ہیں، اُن میں سے بعض کو میں بالکل نہیں پڑھ سکا۔" اُن کے بڑے بھائی نے
جو اپنے زمانہ کے نہایت مقدس بوڑھے اشخاص میں سے تھے اور جن کی
خدمت میں مجھے نیاز حاصل رہا ہے، مجھ سے فرمایا تھا کہ "خدا کی مقتول بھیڑ"
سے جو تصویر اُن کے دماغ میں کھنچتی ہے وہ حد درجہ گھناؤنی ہے اور گیت
کی یہ عبارت کہ "بھیڑ کے خون میں نہایا" اُنکے خیال میں سخت کراہیت پیدا
کرنے والی ہے

میں نے یہ مثالیں اس لئے پیش کی ہیں کہ یہ واضح ہو جائے کہ بعینہٖ اسی
طرح سے ہندو مذہب کے بعض پہلو جو مہاتما گاندھی کی "ہندو مت کی
تعریف" میں درج ہیں، لازمی طور پر اہلِ مغرب کو ابتدا میں عجیب و غریب
معلوم ہوں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ میں بعض باتوں کی تشریح کر دوں
اس سے قبل کہ میں اُن کے ہندو عقیدہ اور عمل کے بارے میں کچھ لکھوں

ہندو مذہب میں دو عنصر ایسے ہیں جن کا سمجھنا اُس وقت تک مشکل ہے
جب تک کہ ایک شخص عرصۂ دراز تک ہندوستان میں نہ رہ چکا ہو اور اُس
ملک میں اُن کی اہمیت کا اندازہ نہ کر چکا ہو

ا۔ "ذات" جو ایک قسم کا معاشرتی اور مذہبی نظام ہے
ہندوستان کے معاشرتی نظام میں بظاہر اعلیٰ سوسائٹی کے تین

بڑے رائج تھے اور یہیں وہ تمام بڑی بڑی اقوام ہیں بدیہی طور پر نظر
آتے ہیں۔ مثلاً وہ قدیم ایران میں اور قدیم یونان میں تمیز طریقہ سے
نمایاں تھے جہاں آرین زبانیں جو سنسکرت سے ملتی جلتی تھیں روزمرہ
استعمال میں آتی تھیں۔ سب سے پہلے پروہتوں یا برہمنوں کا طبقہ تھا جن
کا کام یہ تھا کہ وہ مذہبی امور اور مراسم سے واقفیت رکھیں اور کتب مقدسہ
کی حفاظت کریں۔ دوسرے نمبر پر جنگ کرنے والوں اور نظم ونسق عامہ
کرنے والی جماعت تھی جنھیں چھتری کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اور وہی
مختلف قبیلوں اور فرقوں کی سرداری بھی کرتے تھے۔ تیسرے درجہ پر
زراعت کرنے والے لوگ تھے جو ویش کہلاتے تھے۔ ان کا کام کھیتی باڑی
کرنا اور دولت پیدا کرنا تھا

سب سے آخر میں ان تینوں طبقوں سے پست تر (اور ممکن ہے ابتداً یہ
لوگ مختلف اور مفتوح قوم سے تعلق رکھتے ہوں) شودر لوگ تھے جو مزدوروں
کا کام کرتے تھے۔ قدیم یونان میں اس جماعت کو ہیلٹ[1] (غلام) کے نام
سے پکارا جاتا اور اُسے مطلقاً آریا نسل شمار نہیں کیا جاتا تھا

ہندوستان میں مفتوح غیر آریائی باشندوں کی ایک وسیع تعداد
شودر طبقہ میں داخل ہوگئی۔ لیکن انھیں زنار پہننے کی اجازت نہ تھی
صرف سوسائٹی کے پہلے تین طبقوں کو جو خالصتاً آریائی نسل کے تھے زنار
پہننے کا حق خصوصی حاصل تھا۔ اور وہ بسبب اپنی پیدائش کے اولین

[1] HELOT

نے ظاہر کیا ہے کہ وہ ذات پات کے قدیم نظام کے قائل ہیں، تاہم وہ چھوت چھات سے کسی قسم کا تعلق رکھنے سے قطعی انکاری ہیں۔ وہ کسی ذات کو حتیٰ برہمنوں کی ذات کو بھی درجہ میں اعلیٰ سمجھنے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ تمام مردوں اور عورتوں کو مساوی طریقے سے اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی کے ہر قول و فعل سے انہیں مساوی خیال کرتے ہیں۔ میں نے انہیں ہر روز کئی ذلیل تک اچھوتوں کے ساتھ نہایت قریبی اور دوستانہ اور برادرانہ تعلقات رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ بھی انہیں باپ کی جگہ پر خیال کرتے ہیں اور ہندوستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک بہ حیثیت دوست کے اُن کا نام بہت احترام سے لیتے ہیں

اسی ذات پات کے نظام کے ساتھ ساتھ اور اس سے قریب کا تعلق رکھنے کی وجہ سے ہندوستان کے قدیم آریاؤں میں شادی کے متعلق یہ خیال پیدا ہو گیا کہ وہ مذہبی حیثیت رکھتی ہے اور خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ ذاتوں نے اسے مقدس رشتہ تسلیم کیا۔ شرفا کی مخصوص جماعت کی حیثیت سے انہوں نے توارث کو بہت زیادہ اہمیت دی اور اپنی نسل کو خالص رکھنے کی غرض سے انہوں نے بعض قواعد کی پابندی اپنے اوپر فرض کر لی۔ شادی کے متعلق یہ طے کر دیا گیا کہ اسے ذات پات کے اندر رہنا چاہئے اور ہمیشہ ہندوؤں کے مقدس قانون اور رسم کی پابندی ملحوظ رکھنی چاہئے۔ رفتہ رفتہ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، ذات پات کے اندر رہ کر شادی کی رسم

ذات پات کی جملہ پابندیوں میں سخت ترین بن گئی۔ اس طریقہ پر ہر ذات شادی کے اعتبار سے ایک برادری تسلیم کر لی گئی۔ شادی کے مسئلہ کو ذات کے ساتھ اور ذات کو شادی کے ساتھ اسقدر گہرے طور پر وابستہ کر دیا گیا کہ جن لوگوں نے اس تمام مسئلہ کا نہایت غور و خوض کے ساتھ اور سائنٹفک طریقہ سے مطالعہ کیا ہے وہ قاعدۂ کلیہ کے طور پر اس کا کھلم کھلا اظہار کرتے ہیں کہ "ہندو مذہب میں ذات شادی کے مترادف ہے اور شادی ذات کے"

ٹھیک جس طرح سے کہ ایک ہی ذات کے اندر شادی لازمی قرار دیدی گئی (اور اس رواج کی خلاف ورزی کبھی عمل میں نہیں آئی) اسیطرح بہت سے ایسے مقدس مواقع ہوا کرتے تھے خصوصاً شادیوں کے اوقات میں جبکہ تمام ذات برادری کے لوگوں کا ایک ہی جگہ ایک ساتھ کھانا کھانا معاشرتی اہمیت کے لحاظ سے اعلیٰ ترین چیز خیال کیا جاتا تھا۔ اس مشترکہ ذات برادری کی تقریب دعوت کے موقع پر کسی کو جگہ دینے سے انکار کرنے یا منع کرنے کے یہ معنی ہوتے تھے کہ اسے برادری سے خارج کر دیا گیا ہے۔ یہ نہایت سخت اور خوفناک قسم کی معاشرتی سزا تھی اور ذات برادری سے خارج ہو جانے کے امکان سے زیادہ اور کوئی چیز خوف اور دہشت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھی اس لئے کہ اس کے معنی یہ تھے کہ ذات کا کوئی فرد ایسے خارج شدہ شخص کی شادی اپنے بچہ سے نہیں رچا سکے گا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تعلقات کے قیام کی عمر دونوں میں اضافہ کر دینا چاہئے اور آج بڑی عمر میں شادی کرنا زیادہ عام ہوتا جارہا ہے جتنا کہ بالعموم خیال کیا جاتا ہے

۲۔ گائے کی حفاظت ایک مذہبی فریضہ ہے

غالبًا اہل مغرب کے لئے ہندوؤں کے ذات پات کے نظام کو سمجھنا اُس احترام کو سمجھنے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے جو گائے کے لیئے روا رکھا جاتا ہے، کیونکہ ہم مغرب کے باشندے گائے کے ساتھ حماقت کو ہمیشہ وابستہ رکھتے ہیں جیسا کہ لفظ "بووائن"[1] سے صاف طور پر عیاں ہے لیکن یہاں پر بھی ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہم ایک نہایت ہی قدیم اور نہایت ہی مذہبی قوم سے واسطہ رکھ رہے ہیں جس کی روایات میں کبھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔ ہم کو منظم انسانی تاریخ کے اُن ابتدائی ایام کا خیال رکھنا چاہئے جبکہ شکاری کی خانہ بدوش زندگی کی جگہ زراعتی زندگی نے لیلی تھی۔ ہندوستان کی تاریخ کا یہی وہ دور ہے جبکہ گائے جو روزانہ استعمال کے لئے گھی دودھ مہیا کرتی تھی اور زمین کی کاشت میں ہر روز امداد بہم پہنچاتی تھی، گھر کا ایک قیمتی رفیق اور اثاثہ شمار ہونے لگ گئی تھی جسکی تمام خزانوں سے زیادہ عزت کی جاتی تھی۔ ہندوؤں کے ہندوستان میں ابھی گائے کا مذہبی احترام شروع

[1] BOVINE اسم صفت۔ ہر وہ چیز جو گائے یا بیل سے متعلق ہو۔ مجازاً بیوقوفانہ، احمقانہ وغیرہ (مترجم)

ہوا۔ یہ بہت ہی قدیمی عقیدہ ہے اور زمین کی ترقی و کاشت کے ساتھ گہرے طور پر وابستہ ہے

مجھے عہد عتیق سے ایک مثال پیش کرنے کی اجازت دیجئے تاکہ ہم جیسے مغرب والوں کو اپیل کر سکے۔ قدیم عبرانی لوگوں میں ہم یہ بات صاف طور سے دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح ان معمولی افعال میں سے ہر ایک کے مفہوم میں تقدیس کا خیال وابستہ کر دیا گیا جو روزافزوں یہودی آبادی کو معاشرتی نقصانات سے بچانے والے تھے۔ آج ہم حضرت موسیٰ ؑ کے قوانین کی تعریف کرتے ہیں کہ اُن میں صحت کے اصولوں کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن شاید ہم اس امر کا پورا احساس نہیں کرتے کہ اُن کی مذہبی تقدیس ہی وہ چیز تھی جس نے انہیں صحت کے اصولوں کی ایسی احتیاط کے ساتھ پابندی کرنی سکھائی

اسی طرح ہندوستان میں گائے کی حفاظت کے تخیل کو ابتدا ہی سے مذہبی تقدیس کا جامہ پہنا دیا گیا۔ گھر کے اِس واحد جانور کو۔ جو ایک کلیتًا زراعتی سوسائٹی کے لئے اسقدر مذہبی شے ہے ۔ مذہبی تقدیس عطا کر دینے سے قدیم ہندوستان نے درحقیقت اپنی صحت بخش زندگی کے ایک بڑے سرچشمے کی حفاظت کر لی۔ آج بھی ہندوستان کے ہندوؤں میں جو محض سبزی خور ہیں دودھ ہی وہ واحد غذا ہے جو اناج کے ساتھ ملکر اُن کی ضروری غذائیت بہم پہنچاتی ہے۔ غالبًا کھانے پینے کی چیزوں میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اتنی زیادہ

مقدار میں استعمال میں آتی ہو

لیکن ہندو مذہب نے گائے کے ساتھ جو احترام روا رکھا ہے وہ در اصل اس احترام کی ابتدا ہے جو تمام ادنیٰ درجہ کے جانوروں کے ساتھ (جیسا کہ ہم انہیں سمجھتے ہیں) روا رکھا جاتا ہے۔ ہندو باشندے انہیں دل سے عزیز رکھتے ہیں اور وہ انہیں انسان سے کم نہیں سمجھتے بلکہ عملاً انسان ہی سمجھتے ہیں۔ یہاں پر ہندوؤں کو سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہو جاتا ہے بعینہٖ جس طرح کہ ان کے لئے ہمیں سمجھنا مشکل ہے۔ مثلاً ہمارے یہاں تفریح کے لئے یا کھانے کیلئے اسقدر بے خیالی کے ساتھ جانوروں کا جو قتل روا رکھا جاتا ہے جس کے ساتھ اسقدر خونریزی اور تکلیف بھی وابستہ ہوتی ہے، اُسے ہندو نہایت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ ہندوستان کے بہت بڑے حصہ میں اِس نیم انسانی زندگی کو مقابلتاً انسان کے ہاتھوں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچتا۔ چھوٹے پرندے اور گلہریاں اور بہت سے چھوٹے جانور جنھیں مغرب میں ہم "وحشی و جنگلی" پکارتے ہیں، ہندوستان میں اسقدر پلے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ انسان کی موجودگی سے کسی قسم کا خوف نہیں کھاتے۔ اسی کے ساتھ بدقسمتی سے ایسے مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن میں تکلیف کی حالت میں بھی جانوروں کے ساتھ غفلت برتی جاتی ہے جو زیادہ تر انتہائی نکبت و افلاس کی شقاوت کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن یہ جانوروں تک محدود نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے ساتھ بھی روا رکھی جاتی

ہے جس کا بنیادی سبب ایک ہی ہے

ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ گائے کے لئے جو احترام روا رکھا جاتا ہے جسے دوسرے مذہبی احکام کے ساتھ اسقدر جرأت کے ساتھ قائم کیا گیا ہے، اُس نے ملک کے باشندوں کو زمین کے ساتھ عجیب و طریقہ سے وابستہ کر دیا ہے۔ اُس نے ہندوؤں کو نمایاں طور پر زراعتی بنا دیا ہے۔ غالباً دنیا کی کسی قوم میں زمین کے ساتھ ایسی قربی اور گہری محبت دیکھنے میں نہیں آ سکتی۔ آج بھی ہندوستان میں یہ تکلیف دہ اور خلاف قاعدہ نظارہ دیکھنے میں آ جاتا ہے جبکہ ہندو صد و د شہر میں سختی کے ساتھ اس امر پر اصرار کرتے ہیں (حالانکہ یہ بات میونسپل ضوابط کے جملہ تخیل کے خلاف ہے) کہ انہیں بازاروں اور گلیوں میں اپنے سے قریب گائیں رکھنے کی اجازت دیجائے تاکہ اُن کی موجودگی انہیں ہر وقت اُن کے ملک کی یاد دلاتی رہے جو اُن کا پیدائشی حق ہے

جہاں دنیا کے اور ممالک میں شہری شائستگی کی طرف آنے کے لئے بہت زیادہ دباؤ اور زور ڈالا جاتا ہے وہاں ہندوستان میں گائے کے احترام کی وجہ سے جو راسخ العقیدہ ہندو کے دل میں صدیوں سے جاگزیں ہے، اس کے برعکس زبردست کشش پائی جاتی ہے۔ اگر انسان کے مذہبی دل کے لئے دیہاتی زندگی کی کسی علامت کی اس غرض سے ضرورت پڑے کہ وہ عبادت کے وقت اپنی نظروں کو اس طرف جمائے رکھے تو گائے کی ہندوانہ علامت یقیناً اسقدر خلاف عقل نہ معلوم

ہو گی جتنی کہ بادی النظر میں وہ معلوم ہوتی ہے۔ اُن بہت سی نشانیوں میں سے جنہیں عیسائی انجیل کی کہانی میں پیدائش مسیح سے منسوب کرتے ہیں مسیح کی ایک نشانی جس میں اُن کا ایک ناندیں پیدا ہونا دکھایا گیا ہے اور اُن کے آس پاس صابر اور ذلیل مویشی کھڑے ہوئے دکھائے گئے ہیں جو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر صلح و آشتی کے اس عجیب و غریب شاہزادہ کی طرف دیکھ رہے ہیں، ایسی ہے جو غالباً سب سے زیادہ ہندوستان کے دل سے قریب ہو سکتی ہے

یہ امر عملاً ممکن نہیں ہے کہ پہلے ہی سے مہاتما گاندھی کے مذہب کی تعریف کے اُن مختلف حصوں کی تشریح کر دی جائے جو مغربی زبانوں کے لئے متبائن ہیں۔ لیکن ایک بات بیان کی جا سکتی ہے کہ وہ خود اور ہر تعلیم یافتہ راسخ الاعتقاد ہندو خدائے واحد کی ہستی پر ایمان رکھتا ہے۔ لفظ "خدا" (جس کے لئے کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے) ہر ہندوستانی زبان میں اچھی طرح سے سمجھا جاتا ہے اور ہمیشہ ہر ہندو کی زبان پر رہتا ہے۔ خدا کا نام ہر ہندو کی زبان پر کندہ ہے اور جب وہ اس کا تصور کرتا ہے وہ اُسے خدائے واحد سمجھتا ہے اور اعلیٰ ترین ہستی خیال کرتا ہے۔ میں نے مہاتما گاندھی کے ساتھ متعدد بار نہایت دوستانہ انداز میں بہت سے اختلاف آرا کی موجودگی میں مذہب پر گفتگو کی ہے اور میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ اس آخری عقیدہ کے بارہ میں ہم میں کبھی کوئی اختلاف موجود رہا ہے۔ اس مسئلہ میں میں اور وہ دونوں متحد الخیال ہیں

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

اور اسی سبب سے او تاروں اور مسئلۂ کرم پر بھی

۲- میں ورن آشرم دھرم کا قائل ہوں لیکن اسی مفہوم میں جو ویدوں میں اُسے دیا گیا ہے لیکن اس کے موجودہ بھونڈے معنی میں نہیں

۳- میں گئو رکھشا پر قلبی ایمان رکھتا ہوں لیکن اُس سے کہیں زیادہ جتنا کہ عامۃ الناس رکھتے ہیں

۴- میں مورتی پوجا کا مخالف نہیں ہوں

۵- میں بلا چون و چرا اس ہندو عقیدہ پر ایمان رکھتا ہوں کہ کوئی شخص اُس وقت تک کتب مقدسہ سے صحیح طور پر واقف نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اہنسا (عدم تشدد) ستیا (سچائی) اور برہمچریہ (ضبط نفس) پر عامل نہ ہو اور جب تک اس نے حصول دولت یا قبضۂ دولت کی خواہش کو ترک نہ کر دیا ہو

۶ میں ہر ہندو کی طرح خدا پر اور اس کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہوں، نیز فلسفۂ کرم پر اور نجات پر

جو بات ہندو مذہب کو دوسرے مذہب سے ممیز کرتی ہے وہ ورن آشرم سے کہیں زیادہ گئو رکھشا کا جذبہ ہے ورن آشرم تو میری رائے میں انسانی فطرت میں مرکوز ہے اور ہندو مذہب نے صرف اتنا کیا ہے کہ اُسے سائنس بنا دیا ہے۔ اُس کا تعلق پیدائش سے ہے۔ کوئی شخص

اپنی مرضی سے ورن نہیں بدل سکتا۔ ورن کی پابندی نہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان توارث کے قانون کو نظر انداز کر دے[1]

میں ویدوں کے الہامی ہونے کا قائل ہوں لیکن اسطرح سے نہیں کہ دوسری کتبِ مقدسہ کو الہامی ہونے سے خارج کر دوں۔ میرا ایمان ہے کہ بائبل قرآن اور ژند اوستا بھی اتنی ہی الہامی ہیں جتنے کہ وید۔ ہندو کتبِ مقدسہ پر میرا ایمان لانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ میں ہر آیت اور ہر لفظ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھوں کہ وہ الہامی ہے۔ مجھے اُن عجیب وغریب کتابوں کے بارے میں ذاتی واقفیت اور علم نہیں ہے لیکن میں اتنا دعویٰ کرسکتا ہوں کہ میں کتبِ مقدسہ سے واقف ہوں اور اُن کی حقیقی تعلیمات کی سچائیوں کو محسوس کرتا ہوں۔ مگر میں کسی ایسی تفسیر کا خواہ وہ کتنی ہی فاضلانہ کیوں نہ ہو، پابند بننے سے انکاری ہوں جو عقل یا اخلاق کے خلاف ہو

میرا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ مختلف اقوام کے ساتھ کھانا کھانے سے یا ان میں شادی رچانے سے انسان کی ذات جاتی رہتی ہے جو از روئے پیدائش اُسے فطرت کی طرف سے ودیعت ہوئی ہے۔ چار مدارج، برہمن چھتری، ویش اور شودر صرف انسانی پیشوں کی توضیح کرتے ہیں وہ معاشرتی تعلقات کو نہ تو محدود کرتے ہیں اور نہ باقاعدہ بناتے ہیں۔ یہ مدارج تو صرف فرائض کی وضاحت کرتے ہیں اور کوئی خاص حقوق عطا نہیں کرتے۔ میرے خیال میں یہ امرِ ہندو مذہب کی روح کے منافی ہے کہ وہ

[1] دیکھو ضمیمہ دوم

اپنے ذمہ یہ کام لے کہ ہر آدمی کو اعلیٰ مرتبہ دیا جائے اور کسی دوسرے کو ادنیٰ مرتبہ۔ سب لوگ خدا کی مخلوق کی خدمت کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ برہمن اپنے علم سے، چھتری حفاظت کرنے کی طاقت سے، ویش اپنی تجارتی قابلیت سے اور شودر اپنی جسمانی محنت سے

لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایک برہمن جسمانی خدمت کرنے سے بری رکھا گیا ہے یا آپ اپنی حفاظت یا دوسروں کی حفاظت کرنے کا فرض اُس پر عائد نہیں ہوتا۔ برہمن کی پیدائش اُسے دوسروں کے مقابلہ میں از روئے توارث حصول علم کے لئے اور علمی آدمی بننے کے لئے اور دوسروں تک اُس علم کو پہنچانے کے لئے بہترین طریقہ سے موزوں بنا دیتی ہے۔ اسی طرح شودر کے لئے بھی علم حاصل کرنے کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ وہ بہترین طریقہ سے جسمانی طور پر ہی خدمت کر سکتا ہے اور دوسروں کو خدمت کرنے کے لئے جو خاص طور پر قابلیتیں عطا کی گئی ہیں اُسے اس پر حسد نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن جو برہمن علم کی بنا پر فوقیت کا دعویدار ہے وہ اپنے مرتبہ سے گر جائے گا اور ایک بے علم شخص کی پوزیشن اختیار کرلیگا۔ اور یہی حال دوسروں کا ہے جو اپنی خاص قابلیتوں پر ناز کرتے ہیں۔ ورن آشرم کے معنی ہیں ضبطِ نفس اور طاقت کی حفاظت اور اس کا کفایت کے ساتھ استعمال

اگرچہ ورن آشرم پر دوسری قوموں کے ساتھ کھانے پینے یا ان

کے ساتھ بیاہ کرنے کا کچھ اثر نہیں پڑتا تاہم ہندو مذہب ان باتوں کو سختی سے روکنے کی کوشش کرتا ہے

ہندو مذہب ضبطِ نفس کی انتہائی اور آخری حد کو پہنچ گیا ہے۔ یہ درحقیقت ترکِ نفس سکھانے والا مذہب ہے تاکہ روح آزاد رہے۔ ایک ہندو پر یہ پابندی عائد کر دینا کہ وہ ایک خاص جماعت میں اپنے لڑکے کے لئے بیوی تلاش کرے، درحقیقت ایک حیرت انگیز طریقہ کا ضبطِ نفس ہے

ہندو مذہب شادی شدہ حالت کو نجات اخروی کے لئے لازمی نہیں سمجھتا۔ شادی ایک قسم کا ہبوط (تنزل) بعینہٖ جس طرح سے کہ پیدائش کو بھی ہبوط کہا جا سکتا ہے۔ نجات کے معنی یہ ہیں کہ انسان پیدائش کے چکر سے آزادی حاصل کر لے، اور اس طرح موت سے بھی

بین الاقوامی شادی اور بین الاقوامی تناولِ طعام سے پرہیز روح کی تیز گام ترقی کے لئے لازمی شے ہے۔ لیکن یہ ایشارورن (ذات) کے لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ برہمن برہمن رہ سکتا ہے خواہ وہ اپنے شودر بھائی کے ساتھ کیوں نہ کھانا کھالے بشرطیکہ علم کے ذریعہ خدمت کرنے کا جو فرض اُس پر عائد ہوتا ہے، اُسے اُس نے ترک کر دیا ہو۔ جو کچھ میں اوپر کہہ چکا ہوں، اُس سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ شادی بیاہ اور کھانے کے معاملہ میں جو بندش عائد کی گئی ہے وہ برتری اور فوقیت کے جذبات پر مبنی نہیں ہے۔ جو ہندو کہ تفاخر کے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ماں ہے۔ گائے کی حفاظت میں خدا کی تمام گونگی مخلوق شامل ہو جاتی ہے۔
قدیم ترین رشی نے خواہ وہ کوئی بھی ہو، ابتدا گائے ہی سے کی تھی۔ مخلوق
کے ادنیٰ طبقہ کی اپیل زیادہ زوردار اس لئے بنجاتی ہے کہ وہ خاموش ہے۔
گئو رکھشا کا تخیل وہ تحفہ ہے جو ہندو مذہب نے دنیا کو دیا ہے اور ہندو
دھرم اُسوقت تک زندہ رہے گا جب تک کہ گائے کی حفاظت کرنے
کے لئے ہندو موجود ہیں

ہندوؤں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تزکیۂ نفس اور ایثار و قربانی کے
ذریعہ گائے کی رکھشا کریں۔ آج کل گئو رکھشا کا خیال، سقد ریستی میں
جا پڑا ہے کہ اُس نے مسلمانوں کے ساتھ دائمی تنازعہ کی صورت اختیار
کرلی ہے، حالانکہ سچی گئو رکھشا کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنی محبت سے مسلمانوں
کے دلوں کو مسخر کریں

ایک مسلمان دوست نے چند دن پیشتر میرے پاس ایک کتاب
بھیجی تھی جس میں اُن تمام مظالم کا مذکور تھا جو ہماری جانب سے گائے
پر اور اُس کی نسل پر روا رکھے جاتے ہیں۔ ہم کس طرح سے اُس کے دودھ
کا آخری قطرہ تک اُس سے لے لیتے ہیں، ہم اس کے بچھڑوں سے کیا کیا بدسلوکیاں
کرتے ہیں، ہم کس طرح سے انہیں اُن کے دودھ کے حصہ تک سے محروم
رکھتے ہیں، ہم بیلوں کے ساتھ کیا ظالمانہ برتاؤ کرتے ہیں۔ ہم انہیں کس
طرح سے آختہ کر ڈالتے ہیں، ہم انہیں کس بے رحمی سے پیٹتے ہیں، ہم اُن پر
کس کس طرح ضرورت سے زیادہ بوجھ لاد دیتے ہیں۔ اگر اُن میں قوت

[illegible]

میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ میں مورتی پوجا کا مخالف نہیں ہوں مورتی میرے دل میں کسی احترام کا جذبہ پیدا نہیں کرتی لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ مورتی پوجا کا جذبہ انسانی فطرت میں داخل ہے۔ ہم ظاہری علامات کے پیچھے دیوانے رہتے ہیں۔ ایک شخص کو گرجا میں بمقابلہ کسی دوسری جگہ کے کیوں زیادہ سکون قلب ملتا ہے؟ مورتیاں عبادت میں صرف ممد ومعاون ثابت ہوتی ہیں۔ کوئی ہندو کسی مورتی کو خدا قرار نہیں دیتا میں بہرحال مورتی پوجا کو گناہ نہیں سمجھتا

قبل الذکر عبارت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہندو مذہب ایسا نہیں جو دوسرے مذاہب سے الگ تھلگ رہنے کی تلقین کرتا ہو اس میں دنیا کے تمام پیغمبروں کے لئے احترام کی گنجائش موجود ہے۔ یہ عام اصطلاح میں تبلیغی مذہب نہیں ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے اپنے میں بہت سی قوموں کو جذب کر لیا ہے لیکن یہ انجذاب ارتقائی نوعیت رکھتا ہے اور نامعلوم طریقہ سے عمل میں آیا ہے۔ ہندو مذہب ہر ایک کو اپنے اپنے طریقہ پر خدا کی عبادت کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور اس طرح سے وہ تمام مذاہب کے ساتھ مصالحت رکھنے کا دعویدار ہے

ہندو مذہب کے متعلق میرے اس تخیل کی موجودگی میں میرے لئے ہمیشہ یہ امر ناممکن رہا ہے کہ میں چھوت چھات کی حمایت کروں میری ہمیشہ سے یہی رائے رہی ہے کہ یہ چیز باہر سے داخل ہوگئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ نسلاً بعد نسل ہم تک پہنچی ہے۔ لیکن اس طرح سے اور بھی کئی ایک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عمیق پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں اُن کی تحریرات میں بعض ایسی عبارتیں ملتی ہیں جو ہندو مذہب کی نسبت اُن کی مذکورہ بالا رائے کے ظاہری پہلو کی حمایت کرسکتی ہیں۔ دو اقتباسات جو درجِ ذیل کئے جاتے ہیں، خدائی راز سے اور اُس فطری جذبۂ ایمانی سے متعلق ہیں جس کے ذریعہ خدا کو پہچانا جاسکتا ہے۔ پہلا اقتباس ملاحظہ ہو:—

"دُنیا میں ایک ایسی غیبی طاقت موجود ہے جس کی اگرچہ تعریف نہیں کیجاسکتی تاہم وہ ہر جگہ اور ہر چیز میں موجود ہے۔ میں اُسے محسوس کرتا ہوں اگرچہ آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتا۔ یہی وہ نادیدہ طاقت ہے جو اپنے آپکو محسوس کراتی ہے اور ساتھ ہی ہر قسم کے ثبوت سے بے نیاز ہے اس لئے کہ وہ ہر اُس چیز سے مختلف ہے جسے میں اپنے ظاہری حواس سے محسوس کرسکتا ہوں۔ وہ احساس سے بالاتر ہے۔ لیکن خدا کی ہستی کے بارے ایک محدود حد تک بحث کیجاسکتی ہے معمولی معاملات میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ نہیں جانتے کہ کون حکومت کررہا ہے اور کس طرح سے حکومت کررہا ہے اور باوجود اِس کے وہ جانتے ہیں کہ ایک طاقت ایسی ہے جو حکومت کررہی ہے۔ گذشتہ سال میسور کے دورہ میں میں چند غریب دیہاتیوں سے ملا، اور تحقیقات کے بعد میں نے معلوم کیا کہ انہیں اس کی اصلا خبر نہیں کہ میسور پر کون حکمراں ہے۔ اگر ان غریب دہقانیوں کا علم اپنے حاکم کے متعلق اس درجہ محدود ہے تو مجھے جو خدا سے اتنی نسبت بھی نہیں رکھتا جتنی انہیں اپنے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

سے زندگی اُس کے ماتحت آسان ترچیز بن جاتی ہے

مجھے اس امر کا دھندلا سا احساس ہے کہ جہاں میرے گرد وپیش ہر چیز تبدیل ہوتی رہتی ہے اور مرتی رہتی ہے وہاں اس تمام تغیر کی تہ میں ایک زندہ طاقت کارفرما ہے جو غیر تغیر پذیر ہے، جو سب کو مجتمع رکھتی ہے، جو پیدا کرتی ہے، عناصر کو منتشر کرتی ہے اور پھر دوبارہ زندہ کر دیتی ہے۔ وہی باخبر ذات خدا ہے۔ اور چونکہ ہر اُس شئے کے لئے جسے میں حواس انسانی کے ذریعہ دیکھتا ہوں، نہ بقا ہو سکتی ہے اور نہ ہوگی، لہذا وہی ایک ذات ہے جسے دائم بقا ہو سکتی ہے

اور کیا یہ طاقت کائنات کے لئے فائدہ بخش ہے یا تباہ کن؟ مجھے تو وہ خالصتاً فائدہ بخش طاقت نظر آتی ہے اس لئے کہ میں دیکھتا ہوں کہ موت میں بھی زندگی کو قیام ہے، جھوٹ میں بھی سچائی قائم رہتی ہے، تاریکی میں بھی روشنی جلوہ گر رہتی ہے۔ اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ خدا زندگی ہے، سچائی ہے، روشنی (نور) ہے۔ وہ سراپا محبت ہے۔ اسی کی ذات سب سے برتر ہے

لیکن وہ ذات خدا نہیں ہو سکتی جو محض عقل کو مطمئن کر دے بشرطیکہ وہ کبھی ایسا کرے۔ خدا کو خدا ہونے کے لئے قلب پر حکومت کرنی چاہئے اور اس کی ماہیت کو کلیتاً تبدیل کر دینا چاہئے۔ اُسے اپنے پرستار کے ہر چھوٹے سے چھوٹے فعل میں اپنا جلوہ دکھانا چاہئے۔ یہ صرف اُس وقت ممکن ہے جبکہ خدا کی ہستی کا مکمل ادراک کر لیا جائے جو حواس سے

زیادہ حقیقی ہونا چاہئے جتنا حواسِ خمسہ کے ذریعہ ممکن ہوسکتا ہے۔ حواس کے محسوسات جھوٹے اور دھوکہ دینے والے ہوسکتے ہیں اور بسا اوقات ہوتے بھی ہیں خواہ وہ کتنے ہی حقیقی نظر آئیں جب کبھی حواسِ ظاہری سے بالاتر ہوکر خدا کا ادراک ہوجاتا ہے، وہ غلطی سے مبرا ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے کسی ظاہری شہادت کی ضرورت نہیں بلکہ اُن لوگوں کے تبدیل شدہ طریقِ عمل اور سیرت سے معلوم کیا جاسکتا ہے جنھوں نے اپنے دلوں میں خدا کی حقیقی ہستی کا احساس کرلیا ہے

اِس قسم کی شہادت اُن پیغمبروں اور رشیوں کے مربوط سلسلہ کے تجربوں سے عیاں ہے جو مختلف ملکوں اور دَوروں میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اس شہادت سے انکار کرنا گویا اپنے آپ سے انکار کرنا ہے

لیکن اِس ادراک سے قبل کامل عقیدہ کی ضرورت ہے۔ جو شخص اپنی ذات میں خدا کی موجودگی کی حقیقت پہچاننا چاہتا ہے وہ صرف زندہ اعتقاد کے ذریعہ ہی سے ایسا کرسکتا ہے، اور چونکہ عقیدہ کو کسی بیرونی شہادت کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جاسکتا لہٰذا محفوظ ترین طریقہ یہ ہے کہ دنیا کی اخلاقی حکومت پر اور اِس طرح سے اخلاقی قانون کی جو درحقیقت سچائی اور محبت کا قانون ہے، برتری پر یقین کرلیا جائے۔ عقیدہ پر عمل درآمد اُسوقت محفوظ ترین شے بنجائیگا جبکہ یہ واضح عزم پیدا ہوجائیگا کہ ہر اُس چیز کو جو سچائی اور محبت کے خلاف نظر آئے ایک قلم مسترد کردیا جائے

TO NEWMAN

[illegible]

[illegible]

تجربہ ر۔۔ ہیں جن لوگوں کو اس کے چھونے کی ضرورت ہے اُن کے لئے وہ مجسمہ بجا تا ہے۔ وہ جملہ بنی نوع انسان کے لئے جملہ چیزیں ہے۔ وہ ہمارے اندر ہے ساتھ ہی ہم سے بالاتر اور ہمارے باہر بھی ہے۔ انسان قسم کھاتے وقت خدا کا نام خارج کر سکتا ہے لیکن وہ اس ذات کو خارج کرنے کی طاقت اپنے اندر نہیں رکھتا

خدا کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ موجود نہیں ہے اس لئے کہ خوفناک بد اعمالیاں یا غیر شریفانہ مظالم اُس کے نام سے کئے جاتے ہیں۔ وہ تو بہت بُردبار ہے۔ وہ صابر ہے لیکن ساتھ ہی وہ قہار بھی ہے وہ اس دنیا میں اور آنے والی دنیا میں سخت ترین محاسب ہے وہ ہم سے وہی سلوک روا رکھتا ہے جو ہم اپنے پڑوسیوں سے روا رکھتے ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان۔ اُس کے نزدیک لاعلمی کوئی عذر نہیں ہے اور باوجود اس کے وہ غفور الرحیم بھی ہے، اس لئے کہ وہ ہمیں توبہ کرنے اور سنبھلنے کا موقع دیتا رہتا ہے۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ جمہوریت نواز ہے اس لئے کہ وہ ہم کو نیکی اور بدی میں انتخاب کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی اُس سے بڑھکر کوئی ظالم بھی نہیں اس لئے کہ بسا اوقات وہ ہمارے لبوں سے پیالہ ہٹا لیتا ہے اور اختیار کا بہانہ کرکے ہمارے لئے اتنی ذرا سی گنجائش رکھتا ہے جو سر تا سر ناکافی ہوتی ہے اس طرح وہ اپنے لئے ہمارے ذریعے سے دل لگی کا سامان فراہم

کر لیتا ہے

یہی وجہ ہے کہ ہندو مذہب اِن تمام باتوں کو اس کا مذاق یعنی لیلا قرار دیتا ہے اور دوسرے الفاظ میں اسے دھوکہ، فریب، مایا سمجھتا ہے۔ ہم کو بقا نہیں صرف وہی ہے جسے ہمیشہ ہمیشہ بقا ہے"

ان آخری فقرات میں یہ امر ملحوظِ خاطر رہنا چاہیئے کہ مہاتما گاندھی بعید الفہم شاعرانہ زبان میں اظہارِ خیال کر رہے ہیں اور اسی انداز میں اُس ذات کی جو وہم و خیال میں بھی نہیں سما سکتی، تشبیہ و استعارہ کی زبان میں دھندلی سی تصویر پیش کر رہے ہیں۔ خدا کی فطرت کے اس پہلو کو جو گہرا راز ہونے کی وجہ سے انسانی تخیل سے بالاتر ہے ہندو مذہب میں بسا اوقات خدا کے کھیل (لیلا) یا مایا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لیکن یہ بات مہاتما گاندھی کے نزدیک اُسکی خدائی صفات ستیا (سچائی) اور عدمِ ضرر رسانی (اہنسا) کے تناقض نہیں ہے

ایک تیسری تحریر میں جسے میں نے اُن کی بہت سی تحریرات میں سے منتخب کیا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح سے مہاتما گاندھی اپنی ذات کے لئے خیالی زندگی پر عملی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کس طرح سے وہ بنی نوعِ انسان کی خدمت کر کے خدا کی عبادت میں زیادہ مسرت محسوس کرتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں :-

"خدا کی پرستش کرنا خدا کی تعریف کے بھجن گانا ہے۔ پوجا انسان کی اپنی ناقابلیت اور کمزوری کا اعتراف ہے۔ خدا کے ہزارہا نام ہیں یا

یوں کہو کہ وہ بے نام ہے۔ ہم جس نام سے چاہیں اُسکی پرستش یا حمد کر سکتے ہیں۔ بعض اُسے رام کہتے ہیں، بعض کرشنا، باقی لوگ اُسے خدا کہتے ہیں، سب درحقیقت ایک ہی ذات کی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح سے کھانے پینے کی تمام چیزیں سب کے موافق نہیں آتیں اسی طرح سے سب نام سب کو نہیں بھاتے۔ ہر شخص اپنے اپنے ماحول کے مطابق نام پسند کر لیتا ہے اور وہ یعنی ہمارے دلوں میں رہنے والا تمام طاقتوں کا مالک، تمام باتوں کا جاننے والا ہمارے دل کی گہرائیوں تک کے جذبات سے واقف رہتا ہے اور ہمارے خیالات کے مطابق ہماری آواز پر لبیک کہتا ہے

عبادت اور دعا ایسی چیزیں نہیں ہیں جو صرف لبوں سے ادا کی جائیں بلکہ انہیں دل سے ادا کرنا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ گونگا اور ہکلانے والا، جاہل اور بیوقوف بھی سادی طریقہ سے انہیں انجام دے سکتا ہے، اور اُن لوگوں کی دعائیں جن کی زبانیں تو آبِ حیات ہیں مگر جن کے دل میں زہر بھرے ہیں، کبھی مقبول بارگاہ نہیں ہوتیں۔ لہٰذا جو شخص خدا کی عبادت کرنا چاہتا ہے اُسے پہلے اپنے دل کو پاک وصاف کر لینا چاہیئے۔ رام کا خدائی نام نہ صرف ہنومان[1] کے لبوں پر تھا بلکہ وہ اس کے دل پر نقش تھا۔ رام نام نے ہنومان کے دل میں

[1] ہنومان سے مقصود، ہیں بندروں کا بادشاہ مراد ہے جس نے خدا کے اوتار رام کی خدمت کی تھی اور جسکی وہ نہایت خلوص دل سے پرستش کرتا تھا

[illegible]

دہلی کے طویل برت کے زمانہ میں بھی کوئی دن ایسا نہیں گذرا[۱] جبکہ مہاتما گاندھی نے چرخہ پر اپنا مقررہ کام ناغہ کیا ہو۔ اس غرض سے کہ وہ غربا کے ساتھ یگانگت کا احساس قائم رکھیں۔ اِس طرح معلوم ہوگیا ہوگا کہ جو کچھ انہوں نے یہاں پر بیان کیا ہے وہ محض نظری نہیں بلکہ اُن کے عملی تجربہ میں داخل ہے

[۱] دیکھو باب ہشدہم

[illegible]

[illegible]

آبادی ہیں، کروڑسے تجاوز کر گئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ مقابلتاً ایک قلیل مدت تک ابتدائی مغل شہنشاہوں نے ہندوؤں کے ساتھ نمایاں رواداری کا برتاؤ رکھا تھا لیکن شہنشاہ اورنگ زیب کی مذہبی حرارت نے انہیں بت پرستوں کے ساتھ جنگ کرنے میں زیادہ دقیانوسی طریقوں کا خوگر بنا دیا۔ انھوں نے ہندوؤں کے مقدس شہر بنارس کے عین وسط میں فخر و مباہات کے طریقہ پر بلند میناروں والی اپنی مسجد بالآخر تعمیر کرا ہی دی۔ اُن کی وفات کے بعد اُسوقت بھی جبکہ شہنشاہوں کی کمزور حالت نے انہیں اورنگ زیب کی غیر مصالحانہ حکمتِ عملی کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا، دونوں قوموں کی تلخ منافرت دل ہی دل میں سلگتی رہی اور ملتہب آتش انگیزی کے لئے موقع کی منتظر رہی۔ جدید ہندوستان کا آخری مسئلہ انہی دو مخالف مذہب کا اتحاد ہے

بلاشبہ کوئی شخص بھی ہندوستان کے خلاف مسلمانوں کے ابتدائی حملوں کے مظالم پر جو سلطان محمود غزنوی اور اس کے جانشینوں کے ماتحت کیے گئے تھے چشم پوشی کرنے کا خیال تک نہ کرے گا۔ خود ہندوستان کے مسلمان مورخوں نے ان کی مذمت کی ہے لیکن جب ہم آج بہ حیثیتِ مجموعی ہندوستان کا تصور کرتے ہیں نہ صرف شمال میں بلکہ جنوب میں بھی ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کس طرح سے بعض معاملات میں جو قومی زندگی کے لئے نہایت ضروری و اہم ہیں، شمالی

ہندوستان اسلام کی موجودگی کی وجہ سے اُس مردہ اور بوسیدہ مواد کے اجتماع سے حقیقی معنوں میں پاک وصاف کردیا گیا ہے جو نہ صرف ناخوشگوار تھا بلکہ زہریلا بھی تھا۔ اگر چھوت چھات کے زہریلے بخارات اور مورتی پوجا کی زیادہ ناقص اشکال کو شمالی ہند کی فضا سے بمقابلہ جنوبی ہند کے دور کردیا گیا ہے تو یہ اُس مذہب کی مسلسل موجودگی کا کچھ کم اثر نہیں ہے جس نے نہ صرف یہ کہ مذہبی مراسم کی بافراط خس وخاشاک کی بالیدگی کو جس نے خدائے واحد کی خالص پرستش کی راہ میں مزاحمتیں پیدا کردی تھیں دور کردیا بلکہ ساتھ ہی اس امر کا بھی اعلان کردیا کہ خدا کی نظر میں تمام ایمان والے مساوی رتبہ رکھتے ہیں۔

اسی طرح سے ہندوستان میں اسلام جہاں کہیں اس کی حکومت رہی ہے، صفائی و پاکیزگی پیدا کرنے والا ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ مشرق ومغرب دونوں کے لئے مساوی طور پر اسکی عظیم الشان برکات میں سے ایک بڑی برکت اس کا وہ اصرار ہے جو اس نے انسانی تاریخ کے ایک نہایت نازک موقع پر خدائے برتر کی وحدانیت پر قائم رکھا۔ اس لئے کہ قرونِ مظلمہ کے دور میں مشرق ومغرب دونوں میں ۶۰۰ئ سے لیکر ۱۰۰۰ء تک اس امر کا سخت خطرہ تھا کہ کہیں یہ اصول خود ہندو مذہب کے اور خود عیسائیت کے اُن بیشمار رشیوں، دیوتاؤں، پیروں اور مقدس ہستیوں کی

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

۱۔ اسلام تمام بت پرستوں کو گنہگار خیال کرتا ہے۔ وہ کسی قسم کی تصویر پرستی کی بھی اجازت نہیں دیتا اور بت پرستوں کو خدائے تعالیٰ کا مغضوب قرار دیکر اُن کی مذمت کرتا ہے

۲۔ اسلام ایک مذہبی تہوار کے موقع پر مذہبی فریضہ کی حیثیت سے جانور کی قربانی کی اجازت دیتا ہے۔ بسا اوقات یہ جانور گائے ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ گائے کی بجائے دوسرے جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے، لیکن ابھی تک گایوں کو اسلام کے نام سے ذبح کیا جاتا ہے، اور اس فعل نے جاہل اور اَن پڑھ ہندوؤں کو یہاں تک مشتعل کر دیا ہے کہ معاملہ غالباً صبر سکون کی حد سے گذر گیا ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اُن کے غم و غصہ کا مشاہدہ کیا ہے اور وہ کچھ ایسی ہی چیز ہے جسے میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا

۳۔ راسخ العقیدہ ہندو اس کو پاپ سمجھتے ہیں کہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے کھانے پینے کی چیزیں لیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو وہ ذات باہر ہوجائیں گے۔ اسی وجہ سے ان دونوں قوموں میں شادی بیاہ نہیں ہوسکتا۔ گندگی کے اس تخیل سے جو ہندو کے دماغ پر تقریباً ہر وقت مسلط رہتا ہے، مسلمان ہمیشہ رنجیدہ ہوتے ہیں

۴۔ عام ہندو باشندے اس پر مصر رہتے ہیں کہ بازاروں میں حتیٰ کہ مساجد کے سامنے بھی باجہ بجایا جائے بالخصوص جبکہ مذہبی مراسم ادا کئے جا رہے ہوں۔ خدا ترس مسلمان ہمیشہ نہایت گہرے

طریقے سے مشتعل ہوجاتے ہیں جبکہ وہ ان تہواروں کے موقعوں پر ہندو دیوتاؤں کو اپنی مساجد کے دروازے کے پاس سے شہر شہر گذرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ یہ بات زیادہ تر شمالی ہندوستان میں نماز کے مقدس اوقات میں دیکھنے میں آتی ہے کیونکہ اُسوقت باجے کے ساتھ ڈھول اور تاشے بھی زور زور سے بجائے جاتے ہیں۔ اس قسم کی موسیقی خاموش نمازیوں کی نماز میں خلل انداز ہوتی ہے اور اکثر اوقات جذبات کو مہلک نقطے تک بھڑکانے میں کامیاب ہوئی ہے۔ میں نے ایک معمّر نیک سیرت مسلمان سے اِس مسئلہ پر گفتگو کی ہے جنکی نمازیں ہمیشہ اس طرح سے خلل ڈالا جاتا تھا۔ وہ موت کے منہ کے قریب پہنچ چکے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان کے دل سے منافرت کے تمام جذبات مفقود ہوچکے ہوں گے، لیکن اُن کی خوبصورت روح میں جو زخم پیدا ہوگیا تھا، وہ صاف نظر آرہا تھا

اِس طرح ان دونوں مذاہب کے نام لیواؤں کے لئے یہ دشمنیاں اور منافرت سخت تکلیف دہ مسائل بنی ہوئی ہیں۔ جاہل اور اَن پڑھ طبقہ کے لئے جو صرف ظاہری اشکال سے متاثر ہونے کا عادی ہے، ایسی تکلیف دہ چیزیں بالخصوص جبکہ اُن کی نمایش بازاروں میں کیجائے، تقریبًا ناقابل برداشت ہوجاتی ہیں جب اسلام کے پیرو کسی گائے کو قربانی کی غرض سے گلے میں ہار ڈالکر مذبح کی طرف لیجاتے ہیں اور علامتوں سے ظاہر کرتے ہیں کہ اُسے ذبح کیاجائے گا یا جبکہ ہندو مذہب کے پیرو مورتی پوجا

کے ساتھ زور زور سے اپنے ڈھولوں کو پیٹتے ہوئے مساجد کے دروازوں کے پاس سے گذرتے ہیں اُس وقت فسادات رونما ہو جاتے ہیں اور خونریزی ظہور میں آجاتی ہے۔ اسی قسم کی خونریزی کو روکنے اور قتل و غارت کے ایسے ہی واقعات کی تلافی کرنے کی غرض سے مہاتما گاندھی نے مشہور و معروف برت رکھا تھا جس کا مفصل حال کسی دوسری جگہ درج ہے

اِن تمام صدیوں میں جو پہلے اسلامی حملے کے بعد سے گذری ہیں، طرفین کے نیک دل آدمیوں کی جانب سے اِن گہرے اختلافات کو مغلوب کرنے کے لئے زبردست کوششیں ہو چکی ہیں۔ ازمنۂ وسطیٰ میں ہندو مذہب کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں نے سارے شمالی ہندوستان میں شرق میں بنگال سے لیکر مغرب میں سندھ تک اسلام کو سمجھنے کی نہایت سنجیدہ اور مسلسل کوششیں کی ہیں۔ انہوں نے خدا کی وحدانیت کے بنیادی اصول کو خود اپنے اپنشدوں کی تعلیم کے مطابق کرنے کی کوشش کی اور اس میں انہوں نے یہاں تک غلو کیا کہ مورتی پوجا اور ذات پات کو بھی نہایت حقارت سے دیکھنا شروع کر دیا۔ مزید برآں انہوں نے ایسے خلوص اور نیکی کے ساتھ اسلام کا احترام کرنا شروع کیا، بالخصوص انہوں نے جو صوفیا کہلاتے تھے، کہ مسلمان پیروں نے اپنی طرف سے ہندوؤں کے مذہبی فلسفہ کو لبیک کہا اور اس کے مقاصد کو اپنے میں جذب کر لیا۔ اسطرح سے ابتدائی مختلف زمانوں میں یہ بات ممکن الوقوع خیال کی جاتی تھی کہ ہندو مذہب اور اسلام کے درمیان اتحاد عمل میں آجائے گا لیکن

طرفین کی درشت راسخ العقیدگی اور کٹر پن نے ہمیشہ اس اتحاد کی راہ میں مزاحمت کی اور معاملات کو بار بار پریشانی اور خرابی میں ڈالدیا

ہندوستان میں مہاتما گاندھی اپنی زندگی کے ایک دور میں جسے تحریک عدم تعاون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسلام کے اس قدر قریب پہنچ گئے تھے کہ زمانۂ حال میں ہندو مذہب کبھی وہاں تک نہیں پہنچا۔ انہوں نے دیکھا کہ اسلام کے پکے پیروؤں کو جو اپنے مذہب کے پیشوا کی حیثیت سے قسطنطنیہ میں رہنے والے خلیفۃ المسلمین کا احترام کرتے ہیں، شکست کی ذلت آمیز شرائط سے تکلیف پہنچی ہے جو بعد از جنگ خلیفۃ المسلمین پر عائد کی گئی تھیں۔ کیونکہ فاتح اتحادی خود خلافت کے درپے تھے اور وہ خلیفہ کی دنیوی طاقت کے بیشتر حصہ کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور اس طرح سے اسلام کا مرکز خطرہ میں آگیا تھا

گذشتہ کئی صدیوں سے خلیفہ کے مقدس عہدہ پر سلاطین ترکی فائز ہوتے رہے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں نے جنکی تعداد سات کروڑ سے متجاوز ہے، اتحادیوں کو مطلع کر دیا تھا کہ اگر وہ ترکی کے خلاف صف آرا ہوں گے تو صرف اس صورت میں کہ خلیفہ کی دنیوی اور روحانی طاقت کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے۔ انہوں نے اس امر کا بھی مطالبہ کیا تھا کہ اسلام کے مقدس دو شہروں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ[1]

[1] مگر حرمین سے ہمیشہ مکہ اور یروشلم مراد لئے جاتے ہیں۔ مترجم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

لیے اپنی کامل عقیدت کا اظہار کیا اور مسلمانوں کی خدمت میں اپنی ساری خدمات پیش کر دیں۔ اِس طرح سے مسئلۂ خلافت جو ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے باعثِ ہیجان بنا ہوا تھا ایک مدت کے لئے تپاک آمیز اتحاد کا باعث بنگیا

جنگ کے اختتام پر شمالی ہندوستان میں اس صورت حالات کو صاف صاف الفاظ میں بیان کرنا یوں ناگزیر ہو گیا ہے تاکہ ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر مہاتما گاندھی کی تحریر کا جو اقتباس پیش کیا جا رہا ہے اُس کی تشریح ہو سکے۔ اُس کے پڑھنے سے اندازہ ہو جائیگا کہ وہ کہاں تک جانے کے لئے تیار تھے، اور کس نقطہ پر پہنچ کر وہ مجبور ہوئے کہ خط تنسیخ کھینچدیں۔ وہ رقمطراز ہیں:—

مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ اگر میں ہندو مسلم اتحاد میں صادق ہوں تو کیا مسلمانوں کے ساتھ کھانا پینا شروع کر دوں گا اور کیا میں اپنی لڑکی کی شادی کسی مسلمان کے ساتھ کرنے پر تیار ہو جاؤں گا۔ یہی سوال بعض دوستوں نے دوسرے طریقہ سے پوچھا ہے جو درج ذیل کیا جاتا ہے: کیا ہندو مسلم اتحاد کے لئے بین الاقوامی خورد و نوش اور بین الاقوامی بیاہ ضروری ہے؟

سائل کہتے ہیں کہ اگر یہ باتیں ضروری ہیں تو اُس صورت میں حقیقی اتحاد کبھی نصیب نہیں ہو سکتا، کیونکہ کروڑہا راسخ العقیدہ ہندو شادی بیاہ تو کجا آپس میں کھانے پینے پر بھی راضی نہ ہوں گے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

حقیقت یہ ہے کہ آپس میں کھانا پینا اور شادی بیاہ کرنا دو دلی یا
اتحاد کے ضروری اجزا نہیں ہیں اگرچہ بسا اوقات وہ اس کی ظاہری
علامات ضرور ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی ایک پر یا دونوں پر اصرار
کرنا آسانی کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو سکتا
ہے۔ اگر ہم اس امر کا یقین کر لیں گے کہ ہندو اور مسلم کبھی ایک نہیں ہو سکتے
جب تک کہ وہ آپس میں کھانا پینا اختیار نہ کرینگے یا شادی بیاہ نہ
رچائیں گے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم آپس میں ایک بناوٹی دیوار
قائم کر رہے ہیں جسے بمشکل تمام گرایا جا سکتا ہے

میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے یہ قطعاً
ناممکن ہے کہ وہ آپس میں شادی کریں اور ایک دوسرے کے مذہب
پر قائم رہ سکیں، اور ہندو مسلم اتحاد کی حقیقی خوبصورتی اسی بات میں
مضمر ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مذہب پر قائم رہے اور ساتھ ہی ایک
دوسرے کا دوست اور بہی خواہ بھی رہے، کیونکہ ہمارے سامنے جو
تخیل ہے وہ یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان حتیٰ کہ راسخ العقیدہ قسم کے
اشخاص بھی، ایک دوسرے کو اپنا قدرتی دشمن نہ سمجھیں جیسا کہ وہ اب
تک سمجھتے آئے ہیں

اچھا تو پھر ہندو مسلم اتحاد کس بات پر منحصر ہے اور اسے کس طرح
ترقی دی جا سکتی ہے؟ جواب آسان ہے۔ اس کا انحصار اس امر پر ہے
کہ ہمارا مقصد مشترک ہو، ہمارا مطمح نظر ایک ہو اور ہمارے مصائب

مشترک ہوں۔ مشترکہ مقصد تک پہنچنے میں باہمی اتحاد عمل سے، ایک دوسرے کے غم میں شریک ہونے سے اور ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرنے سے ہم اُسے بہترین طریقے سے ترقی دے سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو بہرحال ایک ہی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہمارا عظیم الشان ملک زیادہ شاندار بنے اور اُسے حکومتِ خود اختیاری ملے۔ ہمارے مطالب اتنے کافی ہیں کہ ہم اُن میں شریک ہو سکتے ہیں، اور آج یہ دیکھ کر کہ مسلمان مسئلۂ خلافت پر سخت بے چین ہیں اور ان کا مقصد بالکل حق بجانب ہے، ہندوؤں کے لئے مسلمانوں کی دوستی حاصل کرنے کی غرض سے اس سے زیادہ طاقتور اور کوئی چیز نہیں کہ وہ اُن کے دعوے کی دل و جان سے تائید کریں

باہمی رواداری کی ضرورت ہمیشہ رہے گی اور یہ ایسی چیز ہے جس کی ضرورت تمام اقوام کو ہے۔ ہم امن کے ساتھ نہیں رہ سکتے اگر ہندو مسلمانوں کے طریقۂ نماز، ان کے عادات وخصائل اور رسم و رواج کے ساتھ رواداری کا اظہار نہ کرینگے، یا اگر مسلمان ہندوؤں کی بت پرستی (مورتی پوجا) یا گئو رکھشا سے دل برداشتہ ہو جائیں گے۔ بردباری اور رواداری کے لئے یہ ضروری نہیں کہ میں اسکو پسند بھی کر لوں جس کے متعلق میں احساس رواداری برت رہا ہوں۔ میں شراب خواری، گوشت خوری اور تمباکو نوشی کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں لیکن میں ہندوؤں، مسلمانوں اور عیسائیوں میں ان سب باتوں کو

برداشت کرتا ہوں بعینہٖ جس طرح سے کہ میں اُن سے متوقع ہوں کہ وہ ان تمام چیزوں سے میرے پرہیز کو برداشت کریں، خواہ وہ اسے بری ہی نظر سے کیوں نہ دیکھتے ہوں۔ ہمارے جتنے جھگڑے ہیں وہ سب اسی وجہ سے شروع ہوئے ہیں کہ ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ وہ دوسرے کو بجبر اپنا ہم خیال بنالے"

جتنا زیادہ ہم مہاتما گاندھی کی زندگی اور تعلیمات کا مطالعہ کرینگے اتنا ہی زیادہ یہ امر یقینی ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ جس چیز نے ان کے خیالات اور افعال کو ڈھالنے میں اثر ڈالا ہے وہ ہندو مذہب ہی ہے۔ وہ ہندو کتبِ مقدسہ کے لفظی مفہوم کے قائل نہیں ہیں اور نہ وہ اُن کے بنیادی اصولوں کو جوں کا توں مانتے ہیں۔ دوسرے مذہب کے ساتھ اُن کی حیرت انگیز رواداری اور ہمدردی انسانی زندگی کے بارے میں ان کے سارے نقطہ نظر پر اثر انداز ہوئی ہے اور اکثر اوقات وہ انہیں ایک غیر متیقن پوزیشن کا حامل بنانے کے قریب لے آتی ہے جتنا کہ وہ درحقیقت ہیں۔ لیکن پابند مذہب اور نیک طینت ہندو صوفی کی طرح اُن کی ماں کا اثر اُن کے دماغ اور ضمیر پر عود کر آتا ہے اور قدیم ہندو اشلوکوں کی خوشبو انہیں اس قدر معطر بنا دیتی ہے کہ پھر اُن کے خیال میں دنیا کی کوئی چیز خوبصورتی، سچائی اور لطافت میں اُن کی برابری نہیں کرسکتی۔ میں نے متعدد بار اس کا مشاہدہ کیا ہے بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ

پر اُن کی توجہ اس دفورِ شوق کے ساتھ مرکوز تھی کہ اُن میں سے ایک نے بھی حرکت نہیں کی۔ مہاتما گاندھی کا دیدار ہی ان میں سے ہر ایک کی نظر میں تزکیۂ باطن کے لئے کافی تھا اور وہ ان کا دیکھ لینا ہی عبادت سمجھتے تھے۔ ٹھیک جس طرح کرسٹر گاندھی انہیں سمجھنے میں غلطی نہیں کرتے بعینہٖ اسی طرح سے وہ بھی اپنی باری سے انہیں صحیح طریقے سے سمجھتے ہیں اور آنکھیں بند کرکے ان کی رہنمائی کو قبول کر لیتے ہیں

اس طریقہ سے مہاتما گاندھی ہندوستان کی سرزمین سے گہرے طور پر پیوست اور وابستہ نظر آتے ہیں۔ وہ ایسے شخص کی طرح سے نہیں ہیں جو اپنے ملک سے سروکار نہ رکھے۔ وہ اُن لوگوں کی مانند نہیں ہیں جو ہندوستان سے عرصۂ دراز تک الگ رہنے کی وجہ سے کلیتاً مغرب کے آداب و رسوم اختیار کر لیتے ہیں۔ اُن کا دماغ ہر وقت زیادہ وسیع حلقوں میں وسعت پذیر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ ہم بعد کی تحریرات میں دیکھیں گے۔ لیکن اُن کی زندگی کا دل ہمیشہ ہندوستان ہی میں رہتا ہے اور اسی سے اُن کی پہلی اور آخری محبت ہے

میں جب کبھی اُن کو دیکھتا ہوں اُسوقت میرے خیالات خود بخود ورڈزورتھ[1] کی "سکائی لارک" کی طرف منعطف ہو جاتے ہیں جو شیلی کی اسی نوع کی نظم سے

[1] ٹامس ورڈزورتھ (WORDSWORTH) کی نظم "سکائی لارک" (SKYLARK.) ایک پر کیف نظم ہے جس میں شاعر چنڈول کو مخاطب کرکے پوچھتا ہے کہ اے آسمان کے طائر تو کیوں آسمان پر اڑا اڑا پھرتا ہے اور پھر خود ہی کہتا ہے کہ کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں (بقیہ صفحہ ۷۷ پر)

کس قدر حیرت انگیز طریقے سے مختلف ہے۔ بعض امور میں شیلی کا تخیل
رابندرا ناتھ ٹیگور کی نظم کی بلند پروازیوں پہنچ جاتا ہے۔ لیکن جہاں
تک مہاتما گاندھی کا تعلق ہے اُن کی ساری کشش سرزمین ہندوستان
ہی کی جانب رہتی ہے حتی کہ تخیلی مضامین کی بہادرانہ خیال آرائیوں
میں بھی وہ اُسے فراموش نہیں کرتے۔ وہ "زمین کو نفرت کی نظر سے
نہیں دیکھتے جہاں سوائے فکروں اور پریشانیوں اور کچھ نہیں" خواہ
وہ دل میں "آسمان کا جاتری" ہی رہنا کیوں نہ پسند کریں۔" اُن کا نغمہ
جو زائیدۂ محبت ہے۔" جسے گاتے ہوئے وہ نظر کی بلندی کے آخری
نقطہ پر چڑھ جاتے ہیں، "ارضی میدانوں کے جگر تک کو متاثر کر دیتا ہے"
نظم کے آخری مصرع کے الفاظ میں "وہ ہمیشہ ہمیشہ اور تمام مواقع
پر آسمان اور زمین کے ہم جنس مقامات ہی میں رہتے ہیں"
اگر اختتام پر یہ سوال کیا جائے کہ مہاتما گاندھی بحیثیت مذہب کے
شعوری طور پر اسلام سے کس حد تک مستفید ہوئے ہیں بعینہٖ جس طرح

(بقیہ صفحہ ۷۶) کہ تو زمین کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے جہاں سوائے فکروں اور پریشانیوں کے
کچھ نہیں پایا جاتا۔ شاعر چنڈول کے نغمہ کو زائیدہ محبت کے نام سے یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ
اگرچہ تو اس بلندی پر اڑتا ہوا آتا ہے جہاں نظر کو بھی رسائی نہیں تاہم تیرا نغمہ ارضی میدانوں
کے جگر تک کو متاثر کر دیتا ہے۔ آخر میں شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ تو آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتا
پھرتا ہے تاہم درحقیقت آسمان اور اپنے گھر یعنی زمین کے ہم جنس مقامات میں رہتا ہے۔ چنڈول پر
شیلی (SHELLEY) نے بھی نظم لکھی ہے لیکن معاصرین اول الذکر کو ترجیح دیتے ہیں۔ ترجمہ

[illegible]

[illegible]

حضرت رسول کریم (صلعم) کے داماد اور حضرت حسن (رض) اور حضرت حسین (رض)
ہی کی سیرت کو مثال کے طور پر اپنے پیش نظر رکھا ہے۔ آنحضرت (صلعم)
کے نواسہ کی مصائب کی داستان ہر سال محرم کے موقع پر دہرائی جاتی
ہے اور بلاشبہ وہ انتہائی حزن و ملال پیدا کرنے والے واقعات پر
مشتمل ہے۔ وہ داستان اس امر کی مثال پیش کرتی ہے کہ انسانی دل
کس طرح سے ان بہادرانہ درگذر اور بردباری کی کہانیوں سے گہرے
طور پر متاثر ہوتا ہے جنھیں عاجزی کے ساتھ اور خاموشی کے ساتھ
برداشت کر لیا جاتا ہے۔ ولیم بلیک نے ایک نظم لکھی ہے جو اس قابل
ہے کہ اسے اس سلسلہ میں زیادہ شہرت حاصل ہو۔ اس نظم کا ذیل کا
بند قابل ملاحظہ ہے:-

آنسو ایک ذہنی اور تخیلی شے ہے
اور آہ کسی فرشتہ صفت بادشاہ کی تلوار کی مانند ہے
اور ایک شہید کے دکھ کی درد بھری چیخ
خدا تعالی کی کمان کا تیر ہے

اور بقول ملٹن[ل] "عاجزی کی یہی وہ ناقابل تسخیر طاقت ہے جس سے
مہاتما گاندھی سے ہمیشہ اپیل کی ہے اور یہ معلوم کرنا باعث دلچسپی
ہے کہ وہ مذہب اسلام میں عملی شکل میں کہاں جلوہ گر دکھتے ہیں
اگر اس بارے میں پھر سوال کیا جائے کہ آیا یہی صفت خود

ل MILTON

[illegible]

عیسائیوں اور عیسائی مذہب کے ساتھ مہاتما گاندھی کو جو تعلق
رہا ہے اُس کے بارے میں مجھے خوش قسمتی سے خود اُنہی کی تقریروں
اور تحریروں سے کافی مواد مل گیا ہے۔ ابتدائی ایام میں جو ہنزبرگ
میں اُنکے ساتھ جتنی گفتگو ہوئی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہندو مذہب
کے ظاہری رسوم سے اُن کا دل بہت کچھ مٹ گیا تھا اور اُنہوں نے
مختلف گرجاؤں اور کنونشنوں میں جاکر عیسائی عبادت میں خاموش
حصہ لینا بھی شروع کر دیا تھا۔ یہ امر آسان ترین ہوگا کہ میں اُس زمانہ
کے اُن کے خیالات کا صحیح مرقع ریورنیڈ جے۔ جے ڈوک ؒ کے الفاظ
میں پیش کر دوں جو جوہنزبرگ میں ان کے نہایت قریبی دوستوں
میں شمار کئے جاتے تھے اور جن کے بیان کی صداقت کی خود مہاتما
گاندھی نے تصدیق کی ہے۔ ان کا بیان حسب ذیل ہے:—

ایک رات کو جبکہ مکان میں سناٹا چھایا ہوا تھا، ہم نے اس مسئلہ میں
صبح تک گفتگو جاری رکھی اور اُس کے نتائج درج ذیل کئے جاتے ہیں:

اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ قدیم ہندو مذہب پاک و صاف مذہب
تھا، بت پرستی سے معرّا، یہ کہ ہندوستان کا روحانی مذہب مادیت
کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے، اور یہی سبب ہے کہ ترقی کرنے والی
اقوام کی اوّل صف میں جو جگہ اُسے حاصل تھی وہ اب اس کے
ہاتھ سے جاتی رہی ہے، یہ کہ مختلف ازمنہ میں خدا نے جو ہر جگہ موجود

کر سکتے ہیں

قدرتی طور پر اُن کے خیالات میں پہاڑی کے وعظ سے گہرا ہیجان پیدا ہو گیا ہے۔ ترک خودی کا جو تخیل وہاں نیز بھگوت گیتا اور لائٹ آف ایشیا[1] میں پیش کیا گیا ہے، اُس سے وہ پورے طور پر متفق ہیں۔ ضبطِ نفس، ترکِ خودی، ایثار و قربانی اُن کے تخیل میں روح اللہ کی زیر ہدایت آخری مطمحِ نظر کی راہ میں مختلف منازل ہیں اور وہ آخری مطمحِ نظر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پوری طرح آزاد کر کے ذاتِ باری باری تعالیٰ میں جذب ہو جائے

مجھے شبہ ہے کہ آیا کوئی مذہب ایسا وسیع ہے جو اُن کے خیالات کے اظہار کے لئے کافی ہو یا کوئی نظامِ کلیسا ایسا ہے جو انہیں اپنے میں جذب کرنے اور اپنے حلقہ میں لینے کے لئے کافی وسیع ہو

جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اُس کی تشریح میں ایک واقعہ سے کروں گا۔ مسٹر گاندھی نے تجویز کی کہ ہمیں تھمبی نائیڈو کی بیمار بیوی کی مزاج پرسی کے لئے جانا چاہیئے جو مقاومت مجہول قیدی کی حیثیت سے جیل خانہ میں تھی۔ راستہ میں ایک مولوی صاحب اور ایک یہودی دوست جو تحریک میں مددگار تھا (امام مسجد کی معیت میں ہمیں مل گئے ہم سب جس میں دو مسلمان، ایک یہودی اور ایک عیسائی بھی تھا،

۱؎ Light Of Asia ایڈون آرنلڈ کی ایک منظوم کتاب ہے جس میں مہاتما بدھ کی زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور اُن کے مذہب کی خوبیاں ظاہر کی گئی ہیں۔ مترجم

اس ہندو خاتون کی مزاج پرسی کے لئے جا رہے تھے۔ زچہ بننے کی تکلیف برداشت کئے اُسے صرف چند دن ہوئے تھے۔ جب ہم سب نے خاموشی کے ساتھ دو زانو ہو کر دعا مانگ لی تو اُس کے بعد مولوی نے اُس سے تسلی و تشفی کے چند الفاظ کہے۔ یہ واقعہ اُس خدائی محبت کے جو مذہب کے حدود اور رنگ و نسل کے قیود سے بالاتر ہے بہت سے مظاہرات میں سے ایک مظاہرہ تھا جس کا ہم نے حال ہی میں مشاہدہ کیا، یہ مسٹر گاندھی کے اپنے مطمح نظر کا ایک جلوہ تھا

چونکہ زندگی کے تقدس کا انہیں بیحد خیال رہتا ہے اس لئے سبزی خوری مہاتما گاندھی کی نظر میں ایک نہایت گہرا اصول بن گیا ہے۔ یہ جنگ بچپن ہی میں اُن کی ماں کے اثر کے ماتحت لڑی جا چکی ہے۔ لیکن اُس کے بعد سے ترکِ غذائے حیوانی نے مذہبی عقیدہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور وہ لوگوں میں بھی نہایت جوش و سرگرمی کے ساتھ اس کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ جب ٹرنسوال کے جیلخانوں میں ان حکام نے کٹی ہوئی باجری کو قیدیوں کے لئے حیوانی چربی میں پکانے پر اصرار کیا تو اُس وقت ان کے پیرووں نے اُسے ہاتھ لگانے کی بجائے فاقہ کرنے کو ترجیح دی تھی

سادہ زندگی بسر کرنا بھی اُن کے مذہب کا جزو ہے۔ اُن کا ایمان ہے کہ ہر قسم کا تعیش برائی میں داخل ہے۔ اُن کی تعلیم ہے کہ ہمارے زمانہ کی بہت سی بیماریاں اور گناہ اسی وجہ سے معرض

ظہور میں آرہے ہیں سختی کے ساتھ نفسانی خواہشات کو دبانا اور نہیں
حیطۂ ضبط میں رکھنا، نفس کو تکلیف میں ڈالنا، اپنی زندگی کی ضروریات
کو تھورو[۱] اور ٹالسٹائی کی طرح انتہائی درجہ پر کم کر دینا اُن کے نزدیک
ایجابی مسرتیں ہیں۔ اور اس مسرت میں اضافہ صرف اُس وقت ہوتا ہے
جب وہ دوسری زندگیوں کو اُسی راہ پر لانے کی ہدایت کرتے
ہیں

میں یہ سطور اُس مکان میں بیٹھا ہوا لکھ رہا ہوں جس میں وہ
جوہنزبرگ کے زمانۂ قیام میں فروکش ہوا کرتے ہیں۔ وہ رہا اُن کا
چولھا اور وہ رہی اُن کی لپیٹی ہوئی چٹائی جس پر وہ سویا کرتے ہیں۔
اُن کی زندگی یہاں پر اِس قدر سادہ اور غرور و تمکنت سے اتنی
معرّا ہے کہ اُس سے زیادہ سادہ اور متواضع زندگی کا تصور کرنا
مشکل ہے۔ ہر وہ چیز جو جسم کے لئے تعیش کا حکم رکھتی ہے یکسر ترک
کر دی جاتی ہے

مسٹر گاندھی کٹر معنوں میں عیسائی نہیں ہیں۔ اس صورت حالات
کے لئے غالبًا خود کٹر عیسائیت ہی موردِ الزام ہے۔ جنوبی افریقہ
میں کسی ہندوستانی کے لئے حضرت عیسیٰ کی محبت آمیز تعلیم کو قبول
کر لینے کی تحریص و ترغیب مفقود ہے اس لئے کہ عیسائیت نے
جس لباس میں اسے ملبوس کیا ہے اُس سے آقا کی شخصیت چھپ

[۱] Tolstoy & Thoreau

اِس اثنا میں اگرچہ میری رائے میں طالبِ صداقت ابھی تک اپنے مقصد کو نہیں پہنچا ہے تاہم میں وہ الفاظ فراموش نہیں کرسکتا جو خود میرے آقا مسیح (ع،م) نے ادا فرمائے ہیں: ہر شخص جو مجھے آقا کہکر پکارتا ہے خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوسکے گا لیکن وہاں صرف وہ شخص داخل ہوگا جو میرے باپ کی مرضی پر چلتا ہے جو آسمانوں میں ہے"

ہمارے پاس ایک اور تحریری بیان بھی ہے جو مسٹر گاندھی کے الفاظ میں ہے اور جس میں ایک کویکر[1] مسمی مسٹر کوٹس[2] کے ساتھ دوستی کا ذکر درج ہے جسے اُس زمانہ کی داستان کو پورا کرنے کے لئے یہاں پر درج کیا جاتا ہے۔ اس امر کا ذکر کر دینا چاہیے کہ گاندھی جی اور ٹیگور رہبر دونو سوسائٹی آف فرینڈز" کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ اناجیل میں جس قسم کی عیسائی زندگی کا حال وہ خود پڑھتے ہیں وہ اس کا قریب ترین نمونہ پیش کرتی ہے۔ مسٹر گاندھی لکھتے ہیں:—

مسٹر کوٹس کو مجھ سے بہت گہری محبت تھی۔ ہم دونوں ساتھ ٹہلنے جایا کرتے تھے اور وہ مجھے دوسرے عیسائی دوستوں کے یہاں بھی لیجایا کرتے تھے۔ جو کتابیں وہ مجھے بھیجتے تھے میں بغیر کسی تعصب اور صفائی قلب کے ساتھ اُن کو پڑھا کرتا تھا اور جو کچھ پڑھ

[1] QUAKER - سوسائٹی آف فرینڈز کا ممبر
[2] COATES

BUTLER 01

DR. PARKER 01 PEARSON 01

[illegible]

[illegible]

BROTHER

[illegible]

[illegible]

بہت بڑے مخلص اور گہرے دوست جو ایک بڑے اور نیک کولیگ تھے، میرے اوپر ڈورے ڈال رہے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ میں اتنا اچھا ہوں کہ مجھے عیسائی بن جانا چاہیئے۔ مجھے اُنہیں مایوس کرنے سے بیحد تکلیف ہوئی۔ جنوبی افریقہ کے میرے ایک دوست عیسائی اب تک مجھ سے خط وکتابت رکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اب آپ کیسے ہیں میں ہمیشہ اُنہیں یہ لکھ دیتا ہوں کہ میری حالت اچھی ہے۔ اگر یہ دوست مجھ سے متوقع تھے کہ میں نماز پڑھا کروں تو میں اُن سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں ہر روز اپنے بند کمرے میں خدا سے دعا مانگا کرتا ہوں کہ وہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے اور مجھے عقل اور دلیری عطا فرمائے تاکہ میں اُس کے سیدھے راستہ پر گامزن رہ سکوں

چونکہ میں ان عیسائی دوستوں میں سے ایک سے وعدہ کر چکا تھا اس لئے میں نے اُسے اپنا فرض منصبی خیال کیا کہ کالی چرن بینرجی (مرحوم) سے جو ایک بہت بڑے ہندوستانی عیسائی تھے، ملاقات کروں چنانچہ میں اُن کی خدمت میں پورے کھلے دل کے ساتھ حاضر ہوا اور اس اندازے کہ میں ہر معقول بات کے لئے تیار رہونگا اور میں نے اُن سے ملاقات بھی ایسے حالات میں کی جو نہایت متاثر کرنے والے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ مسٹر بینرجی اور مجھ میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اُن کی سادگی، اُن کی منکسر المزاجی، اُن کی بیباکی، اُن کی صداقت ـــ ان تمام باتوں کی میں نے ہمیشہ تعریف کی ہے۔

اُنہوں نے ایسے وقت میں مجھ سے ملاقات کی جبکہ اُن کی بیوی بسترِ مرگ پر پڑی ہوئی تھی۔ آپ اس سے زیادہ اثر ڈالنے والے نظارہ کا یا اس سے زیادہ شریفانہ حالت کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں۔ نے مسٹر بینرجی سے کہا کہ میں آپکی خدمت میں متلاشیِ حق کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں۔" یہ واقعہ سنہ ۱۹۱۰ء کا ہے ۔" میں آپکی خدمت میں ایک مقدس وعدہ کی بجا آوری کے سلسلہ میں حاضر ہوا ہوں جو میں اپنے عزیز ترین عیسائی دوستوں سے کر چکا ہوں کہ میں سچی روشنی حاصل کرنے کے لئے کسی کوشش سے دریغ نہ کروں گا میں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ میں اپنے دوستوں کو یقین دلا چکا ہوں کہ کوئی دنیاوی لالچ مجھے اس روشنی سے باز نہ رکھ سکے گا جسے میں فی الحال دیکھنے سے معذور ہوں۔ بہر حال میں آپ کے روبرو اُس بحث کا تفصیلی حال بیان کرکے جو ہم دونوں میں ہوئی تھی، آپ کا وقت لینا نہیں چاہتا۔ وہ بہت اچھی اور دوستانہ گفتگو تھی۔ میں افسوس یا بددلی یا مایوسی کے ساتھ واپس نہیں ہوا بلکہ مجھے رنج تھا کہ مسٹر بینرجی بھی میری تشفی نہ کر سکے۔ یہ میری آخری اور عاجزانہ کوشش تھی جو میں نے عیسائیت کو جیسا کہ اسے میرے سامنے پیش کیا گیا، سمجھنے کے لئے کی

آج میری پوزیشن یہ ہے کہ اگرچہ میں عیسائیت کی بہت سی باتوں کی قدر کرتا ہوں میں کٹر عیسائیت کی ہمنوائی کرنے سے معذور رہوں گا میں آپ سے نہایت عاجزی سے کہوں گا کہ ہندو مذہب جیسا کہ

[illegible]

سے مجھے تشفی حاصل کرنی ہے تو مجھے دوسرے مذاہب
کی کتب مقدسہ کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اپنا انتخاب کرلینا چاہیے
اور میں نے قرآن مجید کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ میں
نے حتی الامکان یہودیت کو بھی ان باتوں میں جن میں وہ عیسائیت
سے الگ ہے سمجھنے کی کوشش کی۔ میں نے مذہب زرتشت کا بھی مطالعہ
کیا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام مذاہب سچے ہیں اور اُن میں سے ہر
ایک نامکمل ہے۔ اس لئے کہ ہماری معمولی اور محدود عقلوں نے اُسکی
تفسیر کی ہے۔ بعض اوقات معمولی دل سے اور زیادہ تر غلط طریقہ پر۔
تمام مذاہب میں مجھے یہ دیکھ کر رنج ہوا کہ بعض آیات کی مختلف اور
متناقض طور پر تفسیر کیجاتی ہے اور میں نے اپنے دل میں کہا: یہ باتیں
میرے لئے نہیں ہیں۔ اگر میں اپنی روح کو تسکین دینا چاہتا ہوں
تو مجھے اپنا راستہ آپ تلاش کرنا چاہیئے۔ مجھے خدا تعالیٰ سے خاموشی
کے ساتھ دعا مانگنی چاہیئے اور اسی سے صراطِ مستقیم کی توفیق چاہنی
چاہیئے۔ سنسکرت میں ایک خوبصورت آیت ہے جس کا ترجمہ ہے
کہ خدا صرف اُسی وقت مدد کرتا ہے جب انسان نہایت معذوری
اور عاجزی محسوس کرتا ہے۔ جس زمانہ میں میں تامل زبان کا مطالعہ
کیا کرتا تھا اُسوقت میں نے ڈاکٹر پوپ[۱] کی کسی کتاب میں تامل کی ضرب
المثل پڑھی جس کا مطلب ہے کہ خدا بیکسوں کی مدد کرتا ہے۔ میں نے

[۱] Dr. Pope

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رہنا چاہیئے۔ میں خاموشی کی حیرت انگیز طاقت سے واقف ہوں۔ میں نے جنوبی افریقہ میں ٹریپسٹ لوگوں کی ایک خانقاہ کا معائنہ کیا ہے۔ وہ ایک خوبصورت جگہ تھی۔ اُس جگہ کے بہت سے باشندے خاموشی کا عہد لئے ہوئے تھے۔ میں نے فادر* سے جب اسکی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ اسکی وجہ بالکل بدیہی ہے۔ ہم کمزور انسان ہیں۔ ہم اکثر اوقات نہیں جانتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اگر ہم اُس کمزور ہلکی آواز کو سننا چاہتے ہیں جو ہمیشہ ہمارے اندر بولتی رہتی ہے تو ہم اُسے سُن نہ سکیں گے اگر ہم مسلسل بولتے رہیں گے۔ میں اُس قیمتی سبق کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ میں خاموشی کے راز سے واقف ہوں

میں نے اپنے مشنری دوستوں سے کہا: آپ کی شرافت میں کچھ شبہ نہیں لیکن آپ جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اُن سے آپ نے اپنے تئیں الگ کر رکھا ہے۔ میں آپ کے روبرو اُس گفتگو کا اعادہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو میں نے دارجلنگ میں مشنری لنگو ایج اسکول میں کی تھی۔ لارڈ سالسبری کی خدمت میں مشنریوں کا ایک وفد چین کے سلسلہ میں حاضر ہوا اور یہ وفد حفاظت کا خواستگار تھا۔ میں اصل الفاظ کا اعادہ نہیں کر سکتا لیکن جو جواب لارڈ سالسبری نے دیا تھا اُس کا خلاصہ سنائے دیتا ہوں۔ انھوں نے کہا تھا: حضرات! اگر آپ عیسائیت کا پیغام پہنچانے کے لئے چین جانا چاہتے ہیں

* FATHER - کیتھولک مذہب میں بعض مذہبی جماعتوں کے افراد کا لقب۔ مترجم

[illegible]

کہ میں نہ تو کچھ لکھوں اور نہ کوئی اور کام ہی کروں میں نے بذریعہ تحریر درخواست
کی کہ اس سے قبل کہ میں خاموشی کے ساتھ لیٹوں اُن کی صاحبزادی جن
کا نام آلیو تھا اور جو اُس وقت چھوٹی سی لڑکی تھی، مجھے میرا محبوب انگریزی
بھجن 'لیڈ' کائنڈلی لائٹ' گا کر سنائے کہ میں سکون حاصل کر سکوں۔
مسٹر ڈوک نے اس خیال کو بہت پسند کیا اور ایک شیریں مسکراہٹ
کے ساتھ میری درخواست کو منظور کر لیا۔ انہوں نے آلیو کو اشارہ
سے بلایا اور کہا کہ دروازہ پر کھڑی ہو جا اور دھیمے سروں میں وہ
گیت گا کر سنا دے۔ یہ سطور لکھواتے وقت تمام نظارہ آنکھوں کے
سامنے پھر جاتا ہے اور چھوٹی لڑکی آلیو کی ترنم ریز آواز میرے
کانوں میں گونجنے لگتی ہے۔ میں اس خدمت کا حال کس طرح سے بیان کر سکتا
ہوں جو ڈوک کے خاندان نے میری کی

مسٹر جوزیف ڈوک بیپٹسٹ پادری تھے اور اسوقت اُن کی عمر
چھیالیس برس کی تھی اور جنوبی افریقہ میں آنے سے پہلے وہ نیوزیلینڈ
میں رہ چکے تھے۔ اس حملہ سے کوئی چھ مہینے قبل وہ میرے دفتر میں
آئے تھے اور اپنا کارڈ اندر بھیجا تھا۔ ان کے نام سے پہلے لفظ
'ریورینڈ' دیکھ کر میں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ وہ دوسرے عیسائیوں
کی طرح مجھے عیسائی بنانے کے لئے آرہے ہیں یا شاید تحریک کے
ساتھ مربیانہ ہمدردی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ مسٹر ڈوک داخل

JOSEPH DOKE — ے اے مہربان روشنی میری رہنمائی کر — OLIVE

ہوئے اور ہم چند منٹ تک گفتگو کرنے پائے تھے کہ میں نے محسوس کرلیا کہ میں نے اُنکی نسبت کس قدر شدید غلطی کی تھی اور اپنے ذہن میں ان سے معافی مانگ لی۔ میں نے معلوم کیا کہ وہ تحریک کے ان تمام امور سے واقف ہیں جو ہم اخبارات میں شائع کر چکے ہیں۔ انہوں نے کہا: مہربانی کر کے مجھے اس تحریک میں اپنا دوست خیال کیجئے۔ میں اسے اپنا مذہبی فرض سمجھتا ہوں کہ میں حتی المقدور آپ کی امداد کروں۔ اگر میں نے حضرت عیسیٰ کی زندگی سے کوئی سبق سیکھا ہے تو وہ یہی ہے کہ ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ اُن لوگوں کے بوجھ میں جو بوجھ سے لدے ہوئے ہوں، شرکت کرے اور اُسے ہلکا کر دے۔ اسطرح سے ہم ایک دوسرے سے واقف ہوگئے اور روز ہماری باہمی محبت اور دوستی میں اضافہ ہی ہوتا گیا

زخمی ہونے کے بعد جب تک میں اُن کے گھر میں بستر پر پڑا رہا گھر کا کوئی نہ کوئی آدمی دن رات میری خدمت میں لگا رہتا۔ جب تک میں وہاں مقیم رہا وہ مکان کارواں سرائے بنا ہوا تھا۔ ہندوستانیوں کے تمام طبقوں کے لوگ میری مزاج پرسی کے لئے اور مجھ سے ملنے کے لئے وہاں آتے، معمولی پھیری والے سے جس کے ہاتھ میں ٹوکرا ہوتا تھا اور جس کے کپڑے میلے کچیلے اور گندے ہوتے تھے لیکر ٹرانسوال کی برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے چیئرمین تک۔ مسٹر ڈوک ایکساں اخلاق اور تواضع کے ساتھ سب کو ڈرائنگ روم میں بٹھاتے اور جب تک میں آنکے

ساتھ قیام پذیر رہا، اُن کا سارا وقت یا تو میری تیمارداری میں صرف ہوتا یا ہزارہا آدمیوں کے استقبال کرنے میں جو میری ملاقات کے لئے آتے تھے، حتیٰ کہ رات کو بھی مسٹر ڈوک میرے کمرہ میں دو تین مرتبہ جھانک لیا کرتے۔ اُن کی مہمان نوازی چھت کے نیچے رہنے کے دوران میں میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ میرا گھر نہیں ہے یا یہ کہ میرے عزیز ترین اور قریب ترین رشتہ دار یا دوست ڈوک کے خاندان کے افراد سے زیادہ میری خبر گیری کر سکتے تھے

اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ مسٹر ڈوک پر ہندوستانیوں کے ساتھ اُن کی جد و جہد میں اظہارِ ہمدردی کرنے کی وجہ سے اور مجھے اپنے مکان میں رکھنے کی وجہ سے کوئی مصیبت پیش نہیں آئی۔ مسٹر ڈوک ایک بیپٹسٹ چرچ کے انچارج تھے اور اپنی روزی کے لئے یورپینوں کے اجتماع پر انحصار رکھتے تھے جن میں سب کے سب لبرل خیالات کے آدمی نہ تھے اور جنہیں ہندوستانیوں کی نفرت غالباً اتنی ہی عام ہوگی جتنی دوسرے یورپینوں میں پائی جاتی تھی لیکن مسٹر ڈوک پر اسکا مطلق اثر نہیں ہوا۔ میں نے اس نازک موضوع پر اپنی ملاقات کی ابتدا ہی میں بحث کر لی تھی اور ان کا جواب یہ تھا: میرے پیارے دوست! آپ حضرت عیسیٰ کے مذہب کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں؟ میں اُنکا ایک عاجز پیرو ہوں جنھوں نے خوشی خوشی سولی پر چڑھ کر اُس ایمان کی خاطر جان دیدی جو اُن کے دل میں تھا اور جن کی محبت کائنات کی طرح

ساری دنیا پر محیط تھی۔ مجھے آپ کی تحریک میں حصہ لینا چاہئے بشرطیکہ میں یہ پبلک
کے سامنے یورپینوں کی نمائندگی کرنے کا خواہشمند ہوں جو جیسا کہ آپ
کو اندیشہ ہے، مجھے سزا دلوا دینگے۔ بلاشبہ میری روزی اُن سے وابستہ
ہے لیکن آپ یہ یقیناً نہ خیال کریں کہ میں روزی کی خاطر اُن سے وابستہ
ہوں یا یہ کہ وہ میرے رازق ہیں۔ میرا رازق میرا خدا ہے، وہ تو خدا تعالیٰ
کی مرضی کا محض وسیلہ ہیں۔ اُن کے ساتھ میرے تعلق کی ایک غیر تحریری
شرط ہے کہ اُن میں سے کوئی بھی میری آزادی میں مخل نہ ہوگا۔ اس لئے
براہ کرم میرا فکر کرنا چھوڑ دیں۔ میں اِس تحریک میں آپ کے دوش بدوش
لڑنے سے ہندوستانیوں کو مرہون منت نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اسے اپنا
فرض منصبی تصور کرتا ہوں۔ بہر حال واقعہ یہ ہے کہ میں نے اپنے ڈیکن[1] سے
اس مسئلہ پر بحث کر لی ہے۔ میں نے نہایت نرمی سے انہیں اطلاع دیدی
ہے کہ اگر وہ ہندوستانیوں کے ساتھ میرے تعلقات کو پسند نہیں کرتے،
تو اُس صورت میں وہ مجھے اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونے کی اجازت
دیں اور کسی اور پادری کو میری بجائے مقرر کر لیں۔ لیکن انہوں نے
مجھ سے فرمایا کہ اس کے بارے میں کسی قسم کا فکر نہ کرو۔ نہ صرف یہ بلکہ
انہوں نے میری ہمت افزائی کے لئے چند کلمات بھی ارشاد فرمائے۔
ساتھ ہی آپ کو تصور کرنا چاہئے کہ تمام یوروپین باشندے آپکے
خلاف ایک طرح کی نفرت رکھتے ہیں۔ آپ کو بہت سے اشخاص

[1] DEACON ۔ گرجا کا بڑا مذہبی عہدیدار۔ مترجم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سے نکالے ظاہر ہوتا رہا ہے۔

ایک اور واقعہ بھی یہاں پر بیان کرنے کے قابل ہے۔ دہلی میں اکیس دن کا اُپاسس ختم ہونے کے قریب جس کا مفصل بیان کسی دوسرے باب میں درج ہے، میں سینٹ جیمز چرچ سے ہولی کومیونین کی نماز سے واپس لوٹا تھا اور ابھی تک میرے دل میں ایک گیت کی یاد باقی تھی جسے گرجا میں تھوڑی دیر پہلے ہم سب نے مل کر گایا تھا۔ اس لئے میں نے اُسے انہیں گا کر سنایا:۔

میں کسی قابل نہیں ہوں، میری روح کا گھر خنک اور عریاں ہے
اس لئے تو وہاں آنے پر کیسے مائل ہو سکتا ہے؟
اے میرے آقا! بول اور مجھے چنگا کر دے!

جب میں اُن کے سامنے اُس حصۂ انجیل کی تشریح کر رہا تھا جس سے یہ گیت لیا گیا ہے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: چارلی! آپ کو مجھ سے ساری داستان بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں اس لئے کہ میں اس سے بخوبی واقف ہوں، اور اسے متعدد بار سن چکا ہوں۔ شاید آپکو یہ بات ابھی تک پوری طرح معلوم نہیں ہوئی کہ میں جو ہنوز برگ میں اتوار کی نماز میں شامل ہوا کرتا تھا اور مجھے اُس زمانہ میں اُنمیں شرکت کرنے سے کس قدر خوشی محسوس ہوتی تھی۔ دنیا میں میرے بعض مخلص ترین دوست وہی عیسائی تھے جن سے میری وہاں دوستی ہو گئی تھی۔ یہ گیت اُن گیتوں میں سے ایک ہے جسے میں نے وہاں متعدد بار

سنا تھا اور اب اس موقع پر بھی مجھے اس کا سننا بھلا معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ سے مجھے ان گذرے ہوئے ایام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو جنوبی افریقہ میں بسر ہوئے تھے"

جب کبھی میں سابرمتی آشرم میں موجود رہا ہوں ان کی ہمیشہ ہی عادت رہی ہے کہ وہ پرارتھنا کے آخر میں مجھ سے کوئی نہ کوئی عیسائی گیت گانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ دو گیت جو ہمیشہ سے انہیں پسند خاطر رہے ہیں، یہ ہیں:-

اے مہربان روشنی، اندھیرے گھپ میں (میری) رہنمائی کر

اور یہ گیت وہ ہے جسے وہ سب سے پہلے سننا پسند کرتے ہیں۔

جب میں عجیب و غریب صلیب کو دیکھتا ہوں

مزید گیت جنہیں میں نے گا کر سنایا ہے اور انہوں نے ہمیشہ پسند کیا ہے حسب ذیل ہیں:-

میرا خدا تجھ سے نزدیک تر ہے، تجھ سے نزدیک تر ہے
خواہ وہ صلیب ہی ہو جو میرا مرتبہ بلند کرتی ہے

اور شام کا گیت۔

ہمیشہ میرے ساتھ رہ۔ شام کا وقت جلدی جلدی آرہا ہے
تاریکی گہری ہوتی جا رہی ہے، اے آقا، میرے ساتھ رہ!

اور ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جس گیت کی ابتدا الفاظ

زمانہائے دراز کی چٹان میرے لئے پھٹ گئی

سے ہوتی ہے، تاریکی اور مایوسی کے لمحات میں وہ بہت تسکین بخش

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس دردافزا صورت حال کو جس میں سنجیدہ، سرگرم اور سچے مرد اور عورتیں
ایک غلط پوزیشن میں پڑنے کے لئے مجبور ہو جاتی ہیں، ایڈورڈ ٹامسن[۵۱] نے
جو آکسفورڈ میں بنگالی زبان کے لکچرر ہیں، ڈرامہ کے ذریعہ دکھایا ہے۔
کھیل کا نام کفارہ ہے۔ ڈرامے میں نازک ترین موقع اس وقت آتا ہے جب
گرگری[۵۲] (جو مشنری کالج کا پرنسپل ہے) اپنی رائفل سنبھالنے پر مجبور ہو جاتا
ہے اور اسٹیشن کے باقیماندہ انگریزوں کے ساتھ (جو سب کے سب سرکاری آدمی
ہوتے ہیں) شامل ہو جاتا ہے اس غرض سے کہ گاؤں میں جو ایک سیاسی
فساد برپا ہو گیا ہے، اسے فوجی طاقت کے ذریعہ دبا دیا جائے۔ حقیقی حالت
جیسے یہاں ڈرامے میں دکھایا گیا ہے، ممکن ہے کہ غیر معمولی خیال کر لی جائے
لیکن وہ ہندوستان میں مسیحی انجیل کے مشنری کے لئے ایسی صورت حالات
کا نقشہ کھینچتا ہے جو مایوسی کی حد تک ناممکن بنا دی گئی ہے

کوئی شخص جو یورپ و امریکہ میں رہ چکا ہو اور اس دنیوی خلجان کا اسے
کلیتاً تجربہ نہ ہو، یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں
اور ہندوستانی عیسائی جماعت جو ہندوستان اور سیلون میں وسیع
رقبوں پر پھیلی ہوئی ہے، اس کے نتیجہ کے طور پر کس حد تک بدیشی بن گئی ہے
دنیا بھر میں مہاتما گاندھی سے بڑھ کر کوئی مہربان یا شریف نقاد نہیں مل سکتا
اس لئے اس موضوع پر جو بہت سی باتیں انہوں نے تحریر کی ہیں، اس کے
محتاط رویہ سے ان لوگوں پر جو مغربی ممالک میں ان کا مطالعہ کرتے ہیں اثر

۵۲ GREGORY

۵۱ EDWARD THOMSON

اور دلچسپی کا پہلو لئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور وہ متقاضی ہیں کہ ان کا غور کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔ وہ کاٹھیاواڑ میں خود اپنے بچپن کے متعلق یہ باتیں لکھ رہے ہیں جبکہ تقریباً ناقابل یقین صورت حالات موجود تھی جو عرصہ ہوا اب بالکلیہ جاتی رہی ہے:۔

"صرف عیسائیت سے بہ حیثیت مذہب کے میرے والد سب سے کم رواداری برتتے تھے اگرچہ وہ سب مذہبوں سے رواداری کا برتاؤ برتتے تھے۔ خود مجھے بھی ایک گونہ اس سے نفرت تھی۔ اس کی معقول وجہ تھی۔ اس زمانہ میں عیسائی مشنری ہائی اسکول کے قریب نکڑ پر کھڑے ہو کر وعظ کہا کرتے تھے اور ہندوؤں اور ان کے دیوتاؤں کو دل کھول کر گالیاں دیا کرتے تھے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکا۔ میں نے زیادہ سے زیادہ ایک مرتبہ ان کی تقریر سنی ہو گی لیکن مجھے اس تجربہ کو دہرانے سے باز رکھنے کے لئے یہ ذرا سی بات بھی کافی تھی۔ اسی زمانہ میں میں نے ایک مشہور ہندو کے عیسائی ہو جانے کی خبر سنی۔ سارے شہر میں اس بات کا چرچا تھا کہ بپتسمہ کے وقت اسے گائے کا گوشت کھانا پڑا اور شراب بھی پینی پڑی، اسے اپنا لباس بھی تبدیل کرنا پڑا اور اس کے بعد سے وہ یورپین لباس زیب تن کرتا ہے اور ہیٹ لگاتا ہے۔ ان باتوں کا میرے دل پر بُرا اثر ہوا۔ میں نے سوچا کہ جو مذہب گائے کا گوشت کھانے، شراب پینے اور اپنا لباس تبدیل کرنے پر مجبور کرتا ہے وہ مذہب کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ میں نے یہ بھی سنا کہ ایک شخص نے جو نیا نیا عیسائی ہوا تھا اپنے باپ، دادا کے مذہب؛ رسم و رواج اور ملک کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا

ہے۔ ان تمام باتوں نے میرے دل میں عیسائیت کی طرف سے نفرت پیدا کر دی"
مسٹر اسکاٹ نے جوان ابتدائی ایام میں راجکوٹ واقع کاٹھیاواڑ میں
مشنری تھے، مہاتما گاندھی کو ایک بہت ہی محبت آمیز خط لکھا تھا اور بتایا تھا
کہ عیسائی ہونے کے وقت گائے کا گوشت کھانے اور شراب پینے کی کہانیاں محض
بازاری گپ کا درجہ رکھتی ہیں اور انہیں دیدہ و دانستہ اختراع کیا گیا ہے۔ اس
کا جو جواب مسٹر گاندھی نے دیا وہ حسب ذیل ہے :۔

"اگرچہ وعظ چالیس سال پیشتر ہوا تھا تاہم اس کی دل خراش یاد ابھی تک میرے
دل میں باقی ہے۔ اس کے بعد سے جو کچھ میں نے سنا اور پڑھا ہے، اس نے میرے
اولین تجربہ کی تصدیق کر دی ہے۔ میں نے کئی ایک پادریوں کی تصانیف کا
مطالعہ کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف تاریک پہلو دیکھنے کے عادی ہیں
جسے وہ اور زیادہ تاریک بنا کر دکھا دیتے ہیں۔ بشپ ہیبر کی کتاب "فروم
گرین لینڈز آئی سی ماؤنٹنز" (گرین لینڈ کے برفانی پہاڑوں سے) کے مشہور
گیت کا دوسرا شعر ہندوستانیوں کے خلاف ایک لائبل (حملہ) ہے۔ مجھے
یروڈا کے قید خانہ میں بھی چند اخلاص شعار دوستوں نے کچھ لٹریچر بھیجا تھا جو
معلوم ہوتا تھا کہ محض ہندو مذہب کی تحقیر کرنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ بپتسمہ کے
وقت گائے کا گوشت کھانے اور شراب پینے کے بارے میں میں نے صرف وہ
باتیں بیان کی ہیں جو میں نے سنی تھیں اور یہی بات میں نے خودنوشت سوانح
حیات میں لکھی ہے۔ جہاں میں مسٹر اسکاٹ کی تردید کو صحیح سمجھ لیتا ہوں، وہاں

FROM GREENLANDS ICY MOUNTAINS OF SCOTT

میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اگرچہ میں ہزارہا ہندوستانی عیسائیوں سے آ ملا ملا جلا ہوں تاہم بہت کم اشخاص ایسے ہیں جنھیں گائے کا گوشت یا کوئی دوسرا گوشت کھانے اور نشہ آور شراب پینے کے بارے میں کچھ شبہات ہوں

جب کبھی میں نے ان سے آہستگی تمام بحث کی ہے انہوں نے مجھے ہمیشہ مشہور و معروف آیت پڑھکر سنادی ہے کہ "تو کسی چیز کو ناپاک مت کہہ" گویا کہ آیت محض کھانے پینے سے متعلق ہے اور یہ کہ وہ ہر قسم کی آزادی عطا کر دیتی ہے۔ میں اس بات سے واقف ہوں کہ بہت سے ہندو گوشت کھاتے ہیں بعض ایسے بھی ہیں جو گائے کا گوشت بھی کھاتے ہیں اور شراب بھی پیتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنا مذہب نہیں بدلا ہے۔ مذہب بدلنے والے اشخاص وہ ہوتے ہیں جو نئے سرے سے پیدا ہوں، یا جنھیں نئے سرے سے پیدا ہونا چاہیئے۔ جو لوگ اپنا مذہب تبدیل کرنا چاہتے ہیں ان سے زیادہ اعلیٰ معیار زندگی اور اخلاق کی توقع کی جاتی ہے بشرطیکہ تبدیلی مذہب دل سے تعلق رکھتی ہو اور کسی غرض پر مبنی نہ ہو۔ لیکن مجھے ان گہرائیوں میں نہ جانا چاہیئے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ جہاں مجھے عیسائیوں یا عیسائی مشنریوں کے ہاتھوں تکلیف دہ تجربے ہوئے ہیں، وہاں مجھے خوشگوار تجربے بھی ہوئے ہیں جن کی یاد مجھے بہت عزیز ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ان میں رواداری کی اسپرٹ ترقی پا رہی ہے۔ ایسے بھی افراد ہیں جو ہندو مذہب اور دوسرے مذاہب کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی اچھی باتوں کی قدر کرتے ہیں، اور بعض ایسے بھی ہیں جو اس امر کا اقرار کرنے سے باک نہیں کھاتے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب جھوٹے نہیں ہیں۔ میں اس بڑھتی ہوئی

آزادانہ اسپرٹ کے لئے ان کا شکر گذار ہوں لیکن میرا اعتقاد یہ ہے کہ ابھی اس سلسلہ میں بہت کچھ کرنا باقی ہے"

ان کی خود نوشت سوانح عمری میں ایک مقام پر ایک سبق آموز مکالمہ درج کیا گیا ہے جو جنوبی افریقہ کی ہندوستانی جماعت کے ایک لیڈر کیساتھ ہوا تھا جن کا نام عبداللہ سیٹھ تھا اور جو مستحکم خیال کے مسلمان محبِ وطن تھے

میں نے کہا کہ "یہاں بہت سے نوجوان ہندوستانی ہیں جن کی پیدائش اور تعلیم یہیں کی ہے۔ کیا وہ آپ کی مدد نہیں کرتے ؟"

عبداللہ سیٹھ نے مایوسی کے لہجہ میں کہا کہ "وہ ہمارے پاس نہیں پھٹکتے اور اگر آپ سچ بات پوچھیں تو واقعہ یہ ہے کہ ہم انہیں اپنا نہیں سمجھتے۔ عیسائی ہونے کی حیثیت سے وہ سفید فام پادریوں کی مٹھی میں ہیں اور وہ پادری اپنی حکومت کے تابع ہوتے ہیں"

اس کے سنتے ہی میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ اس طبقہ کو اپنا بنانا چاہیئے۔ کیا عیسائیت کے معنی یہی ہیں کہ لوگ عیسائی ہو جانے کے بعد ہندوستانی نہ رہیں ؟"

ان مختلف ذاتی یادداشتوں کے علاوہ ان کی وہ بہت اہم تقریریں بھی موجود ہیں جو مہاتما گاندھی نے اپنے حال کے طول طویل دوروں میں ہندوستان اور سیلون میں کی ہیں۔ ان تقریروں میں انہوں نے باری باری سے عیسائیوں کی جماعت ہی سے خطاب کیا ہے۔ کلکتہ میں انہوں نے جو تقریر کی تھی وہ حسب ذیل ہے:

"جب کبھی میں ہندوستان کے طول و عرض میں پھرتا ہوں اس وقت مجھے بہت سے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے وہ یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ایک زبردست ہادی تھے جن کا میری زندگی پر بہت گہرا اثر پڑا ہے

میں اس کالج میں تعلیم پانے والے ۵۰ فی صدی طلبا سے کہوں گا کہ آپ کی زندگیاں نامکمل رہیں گی اگر آپ نہایت احترام کے ساتھ مسیح (ع) کی تعلیمات کا مطالعہ نہ کریں گے۔ میں اپنے تجربہ کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ لوگ خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں جو دوسرے مذاہب کی تعلیمات کا احترام کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں وہ اپنے دلوں کو تنگ کرنے کی بجائے اور زیادہ وسیع کرتے ہیں۔ ذاتی طور پر میں دنیا کے بڑے مذاہب میں سے کسی کو جھوٹا نہیں سمجھتا۔ سب نے بنی نوع انسان کو مالدار بنانے کے لئے خدمت کی ہے اور وہ اب بھی اپنے مقصد کو پورا کر رہے ہیں، جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ فیاضانہ تعلیم کے نصاب میں دوسرے سب مذاہب کا احترام کے ساتھ مطالعہ بھی شامل ہونا چاہیئے

حضرت مسیح (ع) کی تعلیم کا نچوڑ "پہاڑی کے گیت" میں موجود ہے، بشرطیکہ اس میں کسی اور چیز کی آمیزش نہ کی جائے اور اس پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے۔ پہاڑی والے وعظ کے سلسلہ میں بھی پیغام کے بارے میں میری اپنی عاجزانہ تشریح کئی ایک امور میں راسخ العقیدہ اشخاص سے بالکل جداگانہ ہے۔ جب میں جیل سے قبل از وقت رہا ہو رہا تھا، اس وقت سی۔ ایف۔ اینڈریوز نے جن سے زیادہ گہرا دوست میرا روئے زمین پر کوئی نہیں، مجھے ایک خط دکھایا تھا جسے بشپ صاحبان نے اپنی "بھیڑوں" کے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

جگہ پر متمکن ہو جائیں گے۔ میرے نزدیک تمام اچھی تعلیم کی بنیاد یہی ہے۔ دماغ کی تربیت دل کی تربیت کے ماتحت ہونی چاہیئے۔ خدا آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ آپ اپنے دلوں کو صاف و پاک بنا سکیں

جب میں نے جنوبی افریقہ میں ۱۸۹۳ء میں نہایت عقیدتمند طالب علم کی طرح عیسوی علم ادب کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اس وقت میں نے بار بار اپنے دل سے سوال کیا: "کیا یہی عیسائیت ہے؟" اور میں صرف یہی کہہ سکا کہ نہیں، نہیں، جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں وہ یقیناً عیسائیت نہیں ہے۔ اور میرے دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں سے یہ آواز نکلتی ہے کہ میری وہ رائے صحیح تھی، اس لئے کہ وہ عیسائیت ایسی نہ تھی جو حضرت عیسیٰ (ع) کے شایانِ شان ہوتی اور وہ درحقیقت پہاڑی والے وعظ کے تو بالکل مخالف تھی

میرا اپنے متعلق تو یہ دعویٰ ہے کہ ایمان اور دعا میری جان ہے اور اگر میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دئے جائیں تو بھی مجھے یقین ہے کہ خدا تعالےٰ اتنی توفیق دے گا کہ میں اس کا انکار نہ کروں بلکہ یہی کہے جاؤں کہ وہ موجود ہے۔ مسلمان کہتے ہیں:۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ یعنی سوائے خدا کے اور کوئی چیز نہیں۔ عیسائی بھی یہی بات کہتے ہیں:۔ بدھ مذہب کا پیرو بھی یہی بات کہتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ مختلف الفاظ استعمال کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک لفظ "خدا" کے بارے میں جداگانہ مفہوم پیش کرتا ہے۔ ہم ضرور تا ایسا کرنے کے لئے مجبور ہیں، اس لئے کہ خدا تعالیٰ کو نہ صرف ہمارا چھوٹا سا کرہ

کرنی چاہیئے اور اگر ہماری زندگی صحیح ہے تو پھر جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسروں پر اس کا اثر خود بخود پڑے گا

پہاڑی کے وعظ میں جو دولت آپ کو عطا کی گئی ہے، آپ بلاشبہ اس سے اچھی طرح سے متمتع ہوں، لیکن اگر پھر آپ مسیح (ع) کے وعظ کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر رہیں گے تو پھر ٹاٹ اور بھبوت آپ کو اختیار کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ وعظ کی تعلیمات ہم میں سے ہر ایک کے لئے ہے۔ آپ خدا اور دولت دونوں کی ایک ساتھ خدمت نہیں کر سکتے۔ خدائے رحمٰن ورحیم جو مجسم بُردباری ہے، دولت کو بھی کچھ دن اپنا چا دو دکھانے کا موقع دیتا ہے۔ لیکن اے طالب علمو اور اے نوجوانو، میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ دولت کے اس تباہ کرنے والے اور تباہ ہو جانے والے تماشہ سے احتراز کیجئے جس کا آج میں اپنے گرد و پیش مشاہدہ کر رہا ہوں"

جو کچھ میں نے یہاں پر بیان کیا ہے اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ مہاتما گاندھی ہمیشہ ہندوستانی عیسائیوں اور یورپین مشنریوں کے بارے میں ناقدانہ طرزِ عمل رکھتے ہیں۔ برخلاف اس کے ان میں ان کے بہت سے نہایت عقیدتمند معتقد اور دوست بھی ہیں۔ جنوبی افریقہ میں مقاومت مجہول کی مہم میں حصہ لینے والوں میں سے بعض شریف ترین اشخاص ہندوستانی عیسائی ہی تھے۔ سابرمتی میں بعض محبوب ترین یوربین مشنریوں سے زیادہ اور کسی کی آمد پر مسرت کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس مسرت کا مشاہدہ کیا ہے جو وہ آشرم کی زندگی میں حصہ لینے سے محسوس کرتے ہیں۔

[illegible]

چھت کے نیچے ہی عدم تعاون پر غور و خوض کیا گیا تھا اور اس کا پروگرام تیار کیا گیا تھا۔ وہ اس پرائیوٹ کانفرنس میں بھی جو علی برادران، چند اور مسلم دوستوں اور میرے درمیان ہو رہی تھی، ایک خاموش مگر گہری دلچسپی لینے والے تماشہ بین کی حیثیت رکھتے تھے

مذہبی تخیل پر ہی ان کے تمام اعمال و کردار کا انحصار ہوتا تھا اور اس لئے دنیاوی طاقت کے خوف کا تو کوئی سوال ہی درپیش نہ تھا اگرچہ اسی تخیل کی بدولت وہ اس قابل ہوئے تھے کہ وہ دنیاوی طاقت کے وجود کو اور اس کے استعمال اور دوستی کی صحیح طریقہ سے جانچ کر سکیں۔ انہوں نے اپنی زندگی سے یہ حقیقت ثابت کر دی تھی کہ مذہبی تخیل ہی صحیح معنوں میں توازن پیدا کرنے والی چیز ہے جس کا خوشگوار نتیجہ عمل اور اعتقاد کے مابین باہمی خوبصورت یگانگت کی شکل میں نکلتا ہے

پرنسپل رُودرا نے اپنی بہتر سے بہتر آدمیوں کو جن کی تمنا کی جا سکتی ہے، کھینچ لیا تھا۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ سی۔ ایف۔ اینڈریوز کی وجہ سے ہیں پرنسپل رُودرا جیسی ہستی ملی۔ وہ دونوں دو قالب ایک روح تھے۔ ان کے باہمی تعلقات سچی دوستی کی دنیا میں بہترین مطالعہ کی چیز ہیں۔ پرنسپل رُودرا اپنے پیچھے دو لڑکے اور لڑکی چھوڑ گئے ہیں جو سب کے سب جوان ہیں اور زندگی میں داخل ہو چکے ہیں۔ وہ اس امر سے واقف ہیں کہ ان کے غم میں ان کے شریف النفس باپ کے بیشمار دوست اور مداحین بھی شریک ہیں۔[1]

[1] اس مسئلہ پر مزید معلومات کے لئے دیکھو ضمیمہ جات چہارم و پنجم

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہیں کہ وہ تخلیقی مطمحِ نظر اُس مقدس زندگی کی عظیم الشان شخصیت کے گرداگرد فی الحقیقت کس طرح سے اپنے آپ کو عملی شکل میں پیش کرتا ہے جو بعد کو دوسروں کی زندگیوں کے ذریعہ اپنی توسیع کرتا رہتا ہے

مریدی کا جذبہ تمام مشرقی ممالک میں عام طور سے موجود ہے اور جوشیلے نوجوان ایسے آشرموں کی طرف اس طرح سے رجوع ہوتے ہیں بعینہٖ جس طرح سے کہ پانی اپنی سطح آپ ڈھونڈھ لیتا ہے، اس لئے کہ روحانی دنیا میں بھی کشش کا قانون پایا جاتا ہے جو اُس قدرتی قانون سے جو ہمارے گرد وپیش کی جسمانی دنیا کو باہمی کشش کے ذریعہ مجتمع کئے ہوئے ہیں، کچھ کم پائدار نہیں ہے۔ گذشتہ پچیس سال میں جو میں نے مشرق میں بسر کئے ہیں، صرف چند باتیں ایسی ہوں گی جنھوں نے مجھے حقیقتاً متاثر کیا ہے، لیکن جتنا میں ہندوستان میں انسانی دماغ کی مذہب کی جانب قدرتی کشش کو دیکھ کر اور اُس احترام کو دیکھ کر اثر پذیر ہوا ہوں جو کچھ روحانی ہستیوں کا کیا جاتا ہے بالخصوص جبکہ وہ اپنے مطمحِ نظر کو عملی جامہ پہنانے میں کوشاں ہوں، اتنا میں کسی اور بات سے نہیں ہوا

ہمیں مہاتما گاندھی کے مذہبی خیالات کو سمجھنے کے بارے میں جنھیں وہ اپنے آشرم میں حرفاً حرفاً عمل میں لانا چاہتے ہیں، ایک مکمل بیان مل جانے سے ایک گونہ امداد مل گئی ہے۔ جس وقت وہ اصول مرتب کئے گئے تھے اُس وقت انہوں نے ہاتھ سے لکھے ہوئے مسودہ کو میرے پاس بغرضِ تنقید بھیج دیا تھا۔ جواب میں میں نے اُن کی خدمت میں ایک طویل بیان ارسال کیا تھا

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تو ہم عدم تشدد کے اصول سے ہٹ جائیں گے جو لوگ آشرم میں شامل ہوں گے انہیں حرفاً حرفاً اسی معنی کی پیروی کرنی ہوگی

اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم کلی طور پر اس اصول پر عمل پیرا ہو رہے ہیں یہ معنی ہرگز نہیں ہیں۔ یہ ایک مطمح نظر ہے جس پر ہمیں پہنچنا ہے اور یہ ایک ایسا مطمح نظر ہے جس تک ہم اسی وقت پہنچ سکتے ہیں جب ہم میں ایسا کرنے کی اہلیت ہو۔ لیکن یہ جیومیٹری کا کوئی سوال نہیں ہے اور نہ یہ اعلیٰ ریاضیات میں مشکل سوالات کو حل کرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ حقیقتاً اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ ہم میں سے اکثر اشخاص نے ان سوالات کو حل کرنے میں بہت رت جگائی کی ہے۔ لیکن اگر آپ اس اصول کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو ابھی آپ کو اور زیادہ رت جگائی کرنی ہوگی اور بہت شدید تکالیف سہنی ہونگی اس سے قبل کہ آپ اس مقصد اعلیٰ کے قریب پہنچیں۔ یہ محض مطمح نظر ہے اور اس سے زیادہ نہیں جس پر آپ کو اور مجھ کو پہنچنا ہے بشرطیکہ ہم یہ سمجھنا چاہیں کہ مذہبی زندگی سے کیا مراد ہے

جو شخص اس اصول کی تاثیر اور قوت پر یقین رکھتا ہے وہ اپنی آخری منزل میں جبکہ وہ منزل مقصود تک پہنچنے کے قریب ہو جاتا ہے، یہ محسوس کرتا ہے کہ تمام دنیا اس کے قدموں کے نیچے ہے۔ اگر آپ اپنی محبت یعنی اہنسا کا اظہار ایسے طریقہ سے کریں گے کہ وہ آپ کے مفروضہ دشمن کے دل پر کالنقش فی الحجر ہو جائے تو لازمی طور پر وہ اس کا جواب محبت کی شکل میں دے گا۔ اس قاعدہ کے ماتحت منظم خفیہ اقدامات قتل یا ایسے قتلوں کے لئے جو کھلم کھلا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اس کے بعد

چوری نہ کرنے کا عہد

آتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک لحاظ سے ہم سب چور ہیں۔ اگر میں ایک ایسی چیز لے لوں جس کی مجھے فوری استعمال کی ضرورت نہیں ہے اور اسے رکھ لوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے کسی دوسرے کے پاس سے اُسے چرالیا ہے۔ یہ بغیر کسی استثنا کے قدرت کا بنیادی قانون ہے کہ قدرت روز بروز ہماری ضروریات کے لئے کافی چیزیں پیدا کر دیتی ہے، اور اگر ہر شخص اُتنا لے لے جو اس کے لئے کفایت کرے اور اس سے زیادہ نہ لے تو اس دنیا سے افلاس مفقود ہو جائے گا اور کوئی شخص ایسا نہ نکلے گا جو فاقہ کشی سے مرجائے۔ میں سوشلسٹ نہیں ہوں اور میں جایدادیں رکھنے والے اشخاص کو اُنکی جایدادوں سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ ذاتی طور پر ہم میں سے ان اشخاص کو جو اندھیرے میں روشنی دیکھنے کے متمنی ہیں اس قاعدے کی پابندی کرنی لازمی ہے۔ میں کسی آدمی کو اس کی املاک سے محروم کرنا نہیں چاہتا اس لئے کہ اُس صورت میں میں عدم تشدد کے اصول سے انحراف کر رہا ہوں گا۔ اگر کسی شخص کے پاس مجھ سے زیادہ سامان و اسباب اور املاک ہوں تو وہ چیزیں اسے مبارک ہوں۔ لیکن جہاں تک میری اپنی زندگی کو باقاعدہ بنانا مقصود ہے میں کسی ایسی چیز کو اپنے قبضہ میں رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا جس کی مجھے ضرورت نہیں۔ ہندوستان میں کروڑ ہا نفوس ایسے ہیں جنھیں ایک وقت کے کھانے پر قناعت کرنی پڑتی ہے اور وہ کھانا بھی

ایک ایسی چپاتی پرشتمل ہوتا ہے جس میں ذرا سا نمک ملا ہوا ہوتا ہے اور گھی نام کو نہیں ہوتا۔ جو چیزیں درحقیقت ہمارے پاس ہیں ان پر آپ کا یا میرا اس وقت تک کوئی حق نہیں جب تک کہ ان کروڑہا اشخاص کو کھانا اور کپڑا نہ مل جائے۔ آپ کو اور مجھے جو حالات سے زیادہ واقف ہیں اپنی ضرورتوں کو ٹھیک طرح سے ترتیب دینا چاہیئے تاکہ ان کی تیمارداری کی جا سکے اور ان کے لئے کھانا کپڑا مہیا کیا جا سکے

اس کے بعد کوئی چیز نہ رکھنے کا عہد ہے جو اول الذکر عہد کا لازمی نتیجہ ہے اور اس موقع پر جبکہ مختلف مشکلات کا مختصر سا خلاصہ اور ان کا جواب دیا جا رہا ہے، کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں

اس کے بعد

## سودیشی کا عہد

آتا ہے۔ سودیشی کا عہد ایک ضروری عہد ہے۔ ہم اپنی ہستی کے ایک مقدس قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں جب ہم اپنے پڑوس کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی ضروریات پیدا کرنے کی غرض سے دور دراز مقامات پر چلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص بمبئی سے آئے اور آپ کو سامان دکھلائے تو آپ بمبئی کے سوداگر کا مال خریدنے میں حق بجانب نہیں ہیں جب تک کہ آپ کے گھر کے قریب ایک سوداگر موجود ہے جو مدراس میں پیدا ہوا ہے اور جس کی پرورش بھی وہیں ہوئی ہے

سودیشی کے بارے میں میرا یہی نظریہ ہے۔ اپنے گاؤں میں آپ اپنے

دیہاتی حجام کی امداد کرنے کے پابند ہیں اس زیادہ مکمل حجام کے مقابلہ میں جو مدراس سے آپ کے پاس آیا ہوگا۔ اگر آپ اس امر کو ضروری خیال کرتے ہیں کہ آپ کے گاؤں کا حجام اپنے فن میں مدراس والے حجام جیسا بن جائے تو آپ اسے تربیت دے سکتے ہیں۔ آپ بالضرور اسے مدراس بھیج دیجئے بشرطیکہ آپ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے فن کو اچھی طرح سے سیکھ لے۔ جب تک آپ یہ نہ کرلیں اُس وقت تک آپ کسی اور حجام کے پاس جانے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ یہی حقیقی سودیشی ہے اس لئے جب ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ہندوستان میں نہیں بن سکتیں تو ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ان کے بغیر گذارہ کرلیں۔ ممکن ہے کہ ہمیں ایسی بہت سی چیزوں کو ترک کرنا پڑ جائے، لیکن میری بات پر یقین رکھیئے کہ جب آپ اس قسم کا خیال رکھنے لگیں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے سر سے بہت بھاری بوجھ ہٹا لیا گیا ہے، بعینہٖ جس طرح سے مسافر کی کیفیت ہوئی جس کا حال "پلگرمز پروگریس[1]" جیسی بے نظیر کتاب میں درج ہے۔ پھر ایک ایسا وقت آیا جبکہ وہ بھاری بوجھ جو نادانستہ طور پر مسافر اٹھائے لیجا رہا تھا، اس کے سر پر سے گر گیا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ اب زیادہ زیادہ آزاد آدمی ہے بہ نسبت اس وقت کے جب وہ سفر پر روانہ ہوا تھا اسی طرح آپ بھی اب کے مقابلہ میں اپنے تئیں زیادہ آزاد آدمی محسوس کریں گے اگر فی الفور سودیشی کی زندگی اختیار کرلیں گے۔ ہم نے

[1] PILGRIM'S PROGRESS کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رونما ہوتے ہیں، عجیب وغریب طریقہ سے مخلوط کردیا گیا ہے۔ جہاں مہاتما گاندھی اندرونی اصول پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں (کیونکہ اس کے بغیر ہر بیرونی فعل بالکل بیکار ہو جاتا ہے) وہاں ساتھ ہی وہ اندرونی اصول کو فی الفور عمل کی کسوٹی پر پرکھنا بھی چاہتے ہیں۔ یہ بالکل حضرت عیسیٰ کی تعلیم کے مطابق ہے جو پہاڑی کے وعظ میں ذیل کے الفاظ میں دی گئی ہے: "تم انہیں ان کے پھلوں سے پہچان لوگے۔ کیا لوگ خاردار جھاڑیوں سے انگور جمع کرسکتے ہیں یا کانٹے دار پودوں سے انجیر توڑ سکتے ہیں؟"

اس طرح سے کام و دہن کے انضباط کا عہد سچائی اختیار کرنے اور چوری نہ کرنے اور اپنے قبضہ میں کوئی چیز نہ رکھنے کے عہدوں کے بعد آتا ہے بطور ایک آسان ذریعہ کے تاکہ اُن عظیم الشان مطامحِ نظر تک رسائی حاصل ہوسکے۔ وہ ایک شخص کے لئے یہ بات عملاً ناممکن سمجھتے ہیں کہ وہ کام و دہن کی لذتوں سے بھی لطف اندوز ہو اور ساتھ ہی طویل مدت تک حقیقی معنوں میں سچا، بے خوف، ایماندار اور یکسو رہ سکے

کسی ایسے آشرم کے قواعد سے جہاں ضبطِ نفس مذہبی زندگی کے نمایاں پہلو کی حیثیت سے پیش کیا جائے، وہاں اس طریقہ سے اندرونی اور بیرونی زندگی کے درمیان منطقی تعلق معلوم کرلینا مشکل نہیں رہتا۔ لیکن ذاتی طور پر میں نے ابتدا ہی سے یہ محسوس کرلیا تھا کہ عمر بھر شادی نہ کرنے کا عہد شادی جیسی مقدس چیز کی توہین ہے اور اس لئے میں نے سچائی اور اہنسا کے عہدوں کے ساتھ اس عہد کی شمولیت پر اعتراض کیا تھا۔ لیکن جہاں مجھے قدیم مذہب کے متعلق

یہ بات معلوم تھی کہ وہ تجرد کی زندگی کو شادی شدہ زندگی سے اعلیٰ سمجھ کر اس سلبی پہلو پر زور دیتا ہے وہاں ہندو مذہب کے بارے میں مجھے ہمیشہ یہی معلوم ہوا ہے کہ اس کا رجحان اس کے مخالف رہا ہے۔ بعض امور میں ہندو مذہب کی نشو و نما اس طریقہ سے ہوئی ہے کہ براہ راست عیسائی مذہب سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے کہ وہ شادی سے قبل کی ابتدائی زندگی کے دوران میں تو ضبطِ نفس یعنی برہمچریہ پر زور دیتا ہے لیکن زندگی کی دوسری منزل میں متاہل زندگی بسر کرنے اور اولاد پیدا کرنے کو حقیقی معنوں میں روحانی سمجھ کر تقویت دیتا ہے۔ اس طرح سے ہندو مذہب جہاں تک میں اسے سمجھ سکا ہوں شادی کو ایک مقدس معاہدہ قرار دیتا ہے جو شہوت رانی کی غرض سے نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اندرونی ضبطِ نفس کے حصول کی ایک نہایت اعلیٰ شکل ہے۔ مہاتما گاندھی کی روحانی طاقت کے آشرم کے ضوابط میں شادی کے متعلق جو نظریہ درج تھا وہ مجھے غیر قدرتی معلوم ہوا تھا اور اس لئے مجھے سخت تکلیف ہوئی تھی۔ سارے آشرم کے لئے تجرد کا یہ عہد مجھے ہندو مذہب کی بنیاد کو قطع کرنیوالا دکھائی دیا اور یہی وجہ ہے کہ میں نے انہیں لکھا کہ اسے واپس لے لینا چاہیئے

بعض عہد جنھیں مہاتما گاندھی نے آخر میں درج کیا ہے، بدیہی طور پر مقامی نوعیت رکھتے ہیں اور وہ اپنے اندر کوئی مستقل یا دیرپا اہمیت نہیں رکھتے۔ 'ملکی زبان کے ذریعہ تعلیم'، 'چھوت چھات کا تدارک'، 'دسیاسیات کا استعمال'، اپنی موجودہ صورت میں ہندوستان کی فوری ضروریات کے لئے ہیں نہ کہ بنی نوع انسان کی عالمگیر ضروریات کے لئے

کے اندر کے تمام رہنے والے بوڑھے سے لیکر جوان تک نہایت مسرت کے جذبہ کے ساتھ ان کی واپسی کے منتظر تھے۔ سادگی اور خاموشی کے ساتھ کسی کو علم ہوئے بغیر وہ اپنے کمرے میں جاچکے تھے تاکہ بعد کو اپنے خاندان اور احباب کے بیچ میں آکر بیٹھیں۔ بچوں کے غول کے غول ان کے ارد گرد جمع ہوگئے۔ ان کے ماحول میں رہ کر خوف یا ڈر کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ ان کے متعلق یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ وہ الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں یا یہ کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ تمام دن وہ آزادانہ طور پر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے ملتے رہے، ان کے گھروں میں جاتے رہے اور آشرم کی مختلف تفصیلات سے دلچسپی لیتے رہے

یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں ہے کہ پہلی ملاقات کے بعد جو جذبہ ہم میں باقی رہا وہ یہ تھا کہ ہم نے ایک آدمی سے ملاقات کی ہے جو دنیا کے کسی اور زندہ شخص سے کہیں زیادہ مسیح کے قریب ہے

شام کو ہم نے تھوڑی سی چہل قدمی کی اور اس کے بعد کھانے کے لئے چلے گئے۔ ساڑھے نو بجے ہم نے پرارتھنا کی اور جب یہ سب کچھ ختم ہوگیا تو پھر ہم نے خود ان کی دعوت پر دو گیت سنائے۔ شروع شروع میں ہم نے زور زور سے الفاظ ادا کئے

گذشتہ شام کو جو دعائیں مانگی گئی تھیں وہ اگرچہ دل آویز اور بعید متاثر کرنے والی تھیں تاہم آج شام کو ہماری مسرت بہت زیادہ تھی کیونکہ مہاتما گاندھی اپنے گھر واپس آگئے تھے۔ ہر ایک نے ان کی موجودگی کی برکت کو محسوس کیا جب وہ ہماری طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے تھے اور ان کے قریب ان کی پڑ بھتیجی کھیل رہی تھی۔ جو چند

الفاظ اُن کی زبان سے نکلے اُن کے مخاطب بچے تھے جو سب کے سب سامنے بیٹھے تھے۔ ہر شخص خاموش فضا کو متحرک کرنے میں متامل تھا جس نے گویا ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اور جب ہم آہستگی کے ساتھ منتشر ہو رہے تھے ہر شخص کے چہرے سے یہ عیاں تھا کہ وہ سکون کا احساس لیکر جا رہا ہے۔ وہ ناقابلِ فراموش شام تھی ۔۔ وہ ایک قیمتی یادداشت تھی جو زندگی کو قابلِ فخر چیز بنا دیتی ہے

اپنی واپسی کے بعد انہوں نے پورے دو دن تک خاموشی رکھی تاکہ وہ کاٹھیاوار کانفرنس کے لئے تیاری کر لیں۔ یہ خاموشی منگل کی شام کو عین پرارتھنا سے پہلے توڑی گئی جب ہمیں ان سے ایک دوسری ملاقات کی مسرت نصیب ہوئی ۔ اور انہوں نے ہمیں صبح کی چہل قدمی کے وقت جیل کے دروازہ تک معیت کی دعوت دی ۔ وہ تو جیل کو اپنا دوسرا گھر سمجھتے ہیں اور جب ہم نے یہ کہا کہ "آپ کے لئے جیلخانہ باعثِ خوف نہیں رہا" تو انہوں نے جواب دیا کہ " بیشک میرے لئے اب وہاں کوئی ڈر نہیں رہا"

اگلا دن ایک یادگار دن تھا۔ اپنے وعدہ کے مطابق وہ نو بجے ہمارے گھر میں تشریف لے آئے اور ہم چہل قدمی کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب ہم جیل کے احاطہ کے قریب سے گذرے اس وقت ہم نے اچھی اچھی ترکاریاں اُگی ہوئی دیکھیں ہیں نے ہماری گفتگو کو قید خانوں کی اصلاح کی طرف منعطف کر دیا اور ہم نے اتفاق کیا کہ ایسے اداروں کو سزا کے تخیل سے دست بردار ہو جانا چاہیئے اور اس کی بجائے اصلاح کی جانب راغب ہو جانا چاہیئے اور یہ کہ اکثر جرائم معاشرتی حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں

ہم نے سب سے پہلے کاتنے کی غرض کے بارے میں سوال کیا اس لئے کہ ہم جاننا چاہتے تھے کہ آیا ان کا مقصد پست اقوام کو بلند کرنا ہے یا یہ کہ اس کا منشا تمام جماعتوں کو ایک ہی سطح پر لانا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ دونوں باتیں ہیں وہ ایک طرف پست اقوام کے لُوٹے جانے کے عمل کا تدارک کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف غرور و تمکنت کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک شخص کے لئے اپنی خوراک آپ بونا اور اپنی ہی زمین کی پیداوار سے پہننے کے کپڑے تیار کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اردگرد کی ہوا میں سانس لینا۔ اس مقصد کے لئے جو شخص کام نہ کرے اُسے نہ تو کھانا دینا چاہیئے اور نہ کپڑا

جب ہم نے ان سے پوچھا کہ آیا کاتنا اور بنتا ایک ہی مقصد کی طرف لیجانے کا ذریعہ ہے یا وہ خود مقصد ہے تو جواب میں انہوں نے فرمایا کہ بنی نوع انسان صرف ذریعہ ہی کو کام میں لاسکتا ہے، انتہائی مقصد ہماری نظروں سے ہمیشہ دور رہتا ہے جونہی ہم خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہم اپنے مقصد پر پہنچ گئے ہیں، اسی وقت دوسرا مقصد پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم یہاں پر جس امر سے تعلق رکھتے ہیں وہ صرف زندگی کے سیدھے سادے ذرائع ہیں یعنی ابتدائی ضروریات، باقی چیزوں کو ہم خدا کے ہاتھ میں سونپ سکتے ہیں۔ وہ زندگی کی غیر ضروری اشیاء سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، ان کا اصل تعلق ضروریاتِ زندگی سے ہے۔ جب تک ایک شخص اپنے لئے ان چیزوں کو حاصل نہ کرے گا ان کے خیال میں اس کا کام نامکمل رہے گا اور اس طریقہ سے ان کا کام صرف ہندوستان کے لئے نہیں ہے بلکہ ساری دنیا کے لئے ہے

اس کے بعد ہم نے ان سے پوچھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کا حقیقی کام

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

حقیقت یہ ہے کہ جب ہم نے اس جگہ کے تمام ماحول کا خیال کیا؛ دوران مقاصد کا جن کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔ کام کرنے والوں کا اپنے کام میں خوشی محسوس کرنا گھروں کا مسرت اور قناعت سے بھرا ہوا ہونا بچوں تک کو تعلیم سے متمتع ہونے کا موقع ملنا اور دوسرے دن کے لئے کسی تکلیف دہ خیال کی عدم موجودگی تو ہمارے دلوں کو اس بات کا خیال کر کے سخت صدمہ ہوا کہ ہم کس قدر جلدی وہاں سے روانہ ہو گئے

یہاں پر آکر بہ نسبت کسی اور جگہ کے ہمیں اپنی مصروف زندگیوں میں ان الفاظ کی سچائی معلوم ہوئی کہ "محنت کرنا عین عبادت ہے"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے جس کا ذہن میں تصور تک نہیں آنا چاہیئے۔ سودیشی میں انہیں وہ اصول کارفرما نظر آتا ہے جو عیسائیت اور دوسرے مذاہب کے ساتھ ان کے تعلق کی تشریح کر دیتا ہے۔ ان کے نزدیک قومی حب الوطنی کی طرح مذہبی حب الوطنی بھی ہوا کرتی ہے

یہ اصول سودیشی جس پر وہ مذہبی عقیدہ کی طرح نہایت سختی سے قایم ہیں، صاف طور پر اس امر کی حمایت کرتا ہے کہ جس معاشرتی حالت میں کسی کی پیدائش عمل میں آئے اُس کے اُسی درجہ کو جوں کا توں برقرار رکھنا چاہیئے کلیسائے انگلستان کی مسلمہ کتاب عقائد کے الفاظ میں جس کا پس منظر ازمنہ وسطیٰ کے جاگیردارانہ نظام پر مبنی ہے، وہ اصول لوگوں کو مجبور کرتا ہے کہ " زندگی کی اُسی حالت میں رہیں جس میں خدا تعالےٰ نے انہیں پیدا کیا ہے۔" اس سے کسی حد تک اس امر کی تشریح ہو جاتی ہے کہ ذات پات کو جسے وہ ورن آشرم کے نام سے موسوم کرتے ہیں، ایک معقول نظام کی حیثیت سے کس طرح حق بجانب ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کی روایتی مذہبی کتابوں کے بنیادی اصولوں کو مانتے ہوئے اپنے آپ کو قدیم خیال کا ہندو کہنا کیوں پسند کرتے ہیں۔ اس عقیدہ کو اس کی انتہائی شکل میں کتاب موسومہ "گوسپل آف سودیشی" ؁ میں پیش کیا جا چکا ہے جسے ان کے ایک معتقد نے تحریر کیا تھا اور جس کا دیباچہ خود انہوں نے تحریر فرمایا تھا اگرچہ بعد میں انہوں نے اس اصول کی بعد محدود اشکال کے بارے میں اپنی پسندیدگی واپس

لے لی تھی جنہیں خود مصنف نے قایم کیا تھا اور کھلا ان کا اعلان سدا رکھا تھا۔ اس بات کا دوبارہ اعادہ کر دینا ضروری ہے کہ بہت سے اشخاص اگرچہ وہ پرانے خیال کے ہندو ہیں اس اصولِ سودیشی کے کلیتاً منکر ہیں کہ وہ ہندو دھرم کا جزو لاینفک ہے۔ بہت سے دوسرے اشخاص باوجود اس کے کہ وہ موجودہ حالات میں مختلف ذاتوں کے مابین شادی بیاہ کرنے کے انکار پر اب تک مصر ہیں، ذات پات کے نظام کی مفروضہ تعیین پیدائش سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن بحیثیت ہندو کے ان باتوں میں مسٹر گاندھی کا اعتقاد ایک بنیادی چیز بن گیا ہے اور اگرچہ وہ اور امور میں نہایت وسعت خیالی کے حامی ہیں مگر ان معاملات میں وہ نہایت کٹر وضع کے رجعت پسند واقع ہوئے ہیں

ان کی نظر میں سودیشی ایک مذہبی فریضہ ہے اور اس کا اندازہ اس اہمیت سے لگایا جا سکتا ہے جو اسے ستیا گرہ آشرم واقع سابرمتی میں حاصل ہے۔ اس پر تفصیلی بحث اس باب میں کی گئی ہے جس میں "روحانی قوت کے آشرم"[۱] کا حال درج ہے۔ تاہم یہ حقیقت اس واقعہ سے اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے کہ جب کرسچین مشنری کانفرنس کے موقع پر جو مدراس میں ۱۴؍ فروری ۱۹۱۶ء کو منعقد ہوئی تھی، ان سے درخواست کی گئی کہ وہ کسی ایسے مذہبی موضوع پر جسے وہ اولین اہمیت دیتے ہوں، مجمع مشنریوں کے سامنے اظہار خیالات کریں تو اس وقت انہوں نے سودیشی ہی کو اپنے خاص مضمون کی حیثیت سے پسند کیا تھا۔ وہ ایسے نادر موقع پر سودیشی جیسی چیز پر ہرگز ہرگز تقریر نہ کرتے

[۱] دیکھو باب پنجم

کیونکہ وہ ہندوستان میں عقیدتمند مذہبی مردوں اور عورتوں کے ایسے مجمع کے
روبرو پہلی مرتبہ تقریر کر رہے تھے جسے وہ اس کی زبردست سچائی کے بارے
میں قائل کرنا چاہتے تھے) اگر وہ دل میں یہ محسوس نہ کرتے کہ جس مذہبی اصول
کی تشریح وہ کر رہے ہیں وہ خدائی باتوں میں اولین روحانی تجربہ کا درجہ رکھتا
ہے۔ اس مسئلہ پر ان سے متعدد بار طویل اور تھکا دینے والے مباحث کرنے
کے بعد میں اس کی مذہبی نوعیت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ زور دار الفاظ
میں اپنے خیالات پیش کر سکتا ہوں اس لئے کہ اس معاملہ میں وہ نہایت محکم
ہیں اور عرصہ ہوا کہ انہوں نے گہرے غور و فکر کے بعد اپنی رائے قایم کی تھی جب
میں نے ان سے پوچھا کہ اس مسئلہ پر ان کی آخری رائے کیا ہے تو انہوں نے
وہ تقریر حوالہ کر دی جو مدراس میں مشنریوں کے سامنے کی گئی تھی :۔

گہرے غور و فکر کے بعد میں نے سودیشی کی ایک ایسی تعریف قایم کی ہے جو غالبًا
بہترین طریقہ سے میرے مفہوم کو ادا کر دیتی ہے:

سودیشی ہماری اس اندرونی اسپرٹ کا نام ہے جو ہمیں اپنی قریب ترین
گرد و پیش کی چیزوں کے استعمال اور ان کی خدمت کا پابند بناتی ہے اس طرح
سے کہ زیادہ دور کی چیزوں کو خارج رکھا جائے

مثلاً (اول) مذہب کے معاملہ میں مجھے اپنے آبائی مذہب کا پابند ہونا
چاہیئے۔ اگر مجھے اپنے مذہب میں کوئی نقص معلوم ہو تو اس صورت میں میرا فرض
ہے کہ میں اس کے نقائص کو دور کر کے اس کی خدمت پر کمربستہ رہوں (دوم)
سیاسیات کی دنیا میں مجھے وطنی اداروں کا استعمال کرنا چاہیئے اور ان کے سقم

[illegible]

[illegible]

صورت میں کیا ہندوستان کی عظیم الشان مشنری جماعتیں جن کے لئے وہ نہایت سچائی کے ساتھ شکر گذار ہے بوجہ اس کے جو وہ اب تک اس کے لئے کر چکی ہیں اور آج بھی کر رہی ہیں، بہتر طریقہ سے کام نہ کریں گی اور تبدیلیٔ مذہب کے مقصد کو نظر انداز کر کے اور صرف اپنے رفاہ عام کے کام کو جاری رکھ کر عیسائیت کی خدمت پہلے سے بہتر طریقہ سے انجام نہ دیں گی؟ میں نہایت خلوص اور انکساری کے ساتھ یہ تجویز پیش کر رہا ہوں

میں نے بائیبل کے مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے اور میں اسے اپنی مذہبی کتب کا جزو خیال کرتا ہوں۔ پہاڑی کے وعظ کی روح بھگوت گیتا کی طرح میرے دل پر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ جس جوش عقیدت کے ساتھ ایک عیسائی "مجھے روشنی کی طرف لے چل" والا گیت یا اسی نوعیت کے بعض دیگر الہامی گیت پڑھتا ہے، بعینہٖ اسی والہانہ وارفتگی کے ساتھ میں بھی انہیں پڑھا کرتا ہوں اور اس باب میں میں کسی عیسائی سے کم نہیں ہوں۔ میں مختلف فرقوں کے مشہور و معروف عیسائی مشنری صاحبان کے زیر اثر رہ چکا ہوں اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آج بھی ان میں سے بعض کے ساتھ میرے دوستانہ تعلقات قایم ہیں۔ اس طرح سے میں نے متذکرہ بالا تجویز ایک متعصب ہندو کی حیثیت سے نہیں بلکہ مذہب کے ایک عاجز اور غیر جانبدار طالب علم کی حیثیت سے جس کے رجحانات زیادہ تر عیسائیت کی طرف مائل ہیں، پیش کی ہے

کیا یہ ممکن نہیں کہ "اب تم دنیا بھر میں جاؤ" کے پیغام کی کسی قدر تنگ نظری کے ساتھ تشریح کی گئی ہو اور اس کی حقیقی روح کو نظر انداز کر دیا گیا ہو؟ میں تجربہ کی

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

زندگی میں ہم سودیشی سے انحراف کر گئے ہیں۔ اگر تجارت کی ایک بھی چیز بیرونی ممالک سے نہ لائی جاتی تو آج ہندوستان میں دودھ اور شہد کی ندیاں بہ رہی ہوتیں۔ لیکن اس کے مقدر میں یہ لکھا نہ تھا۔

ہم میں لالچ میں پڑ گئے اور انگلستان کی بھی یہی حالت ہوئی۔ انگلستان اور ہندوستان کا تعلق صاف طور پر ایک غلطی پر مبنی تھا۔ لیکن انگلستان کسی غلطی کی بنا پر ہندوستان میں نہیں رہا۔ یہ اس کی تسلیم شدہ پالیسی ہے کہ ہندوستان اس کے ہاتھ میں ہندوستانیوں کے لئے ایک امانت ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو لنکاشائر کو علیحدہ رہنا چاہیئے، اور اگر اصول سودیشی صحیح ہے تو لنکاشائر بغیر کسی نقصان کے علیحدہ رہ سکتا ہے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ عندالوقت اسے صدمہ محسوس ہو

میں اقتصادی سودیشی کو تحریک بائیکاٹ نہیں سمجھتا جو کسی انتقامی جذبہ کی بنا پر اٹھائی گئی ہو، بلکہ میں اسے مذہبی تحریک خیال کرتا ہوں جس کی پیروی سب کو کرنی چاہیئے۔ میں ماہر اقتصادیات نہیں ہوں لیکن میں نے اس پر چند کتابیں پڑھی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ انگلستان آسانی کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کر سکتا تھا اور جس قدر پیداوار کی اسے ضرورت ہے وہ اپنے یہاں پیدا کر سکتا تھا

ہندوستان لنکاشائر یا کسی اور ملک کے لئے زندہ نہیں رہ سکتا قبل اس کے کہ وہ خود اپنے لئے زندہ رہ سکے۔ اور وہ اپنے لئے صرف اس وقت زندہ رہ سکتا ہے جبکہ وہ اپنے ہی حدود کے اندر اپنی ضروریات کے لئے سب کچھ پیدا

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

کرنا سیکھے گا جنھیں آج وہ اپنے لئے ضروری خیال کرتا ہے

اب مجھے صرف ایک اعتراض کا جواب دینا باقی ہے جو سودیشی کے خلاف کیا جاتا ہے۔ معترضین اسے نہایت خود غرضانہ اصول قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اخلاق کے مہذب مجموعۂ قوانین میں اس کی کوئی سند نہیں ملتی۔ ان کے نزدیک سودیشی پر عمل پیرا ہونا قدیم وحشیانہ زندگی کی طرف لوٹنے کے مترادف ہے۔ میں اس مسئلہ کی تفصیلات میں نہیں پڑ سکتا، لیکن میں عرض کروں گا کہ سودیشی ہی ایک ایسا اصول ہے جو عاجزی اور محبت کے قانون کے عین مطابق ہے۔ سارے ہندوستان کی خدمت کرنے کی غرض سے کسی تحریک کو اٹھانے کا سوال گستاخی ہے درآنحالیکہ میں اپنے خاندان کی بھی خدمت کرنے کے قابل نہیں ہوں میرے لئے یہ بہتر ہے کہ میں اپنے خاندان پر اپنی کوشش کو مرکوز کر دوں اور سمجھوں کہ اس کے ذریعہ سے میں تمام قوم کی اور اگر آپ کہنا پسند کریں تو تمام انسانیت کی خدمت کر رہا ہوں۔ یہ عاجزی اور محبت ہے

نیت ہی فعل کی اچھائی یا برائی کا تعین کرے گی۔ مثلاً میں اپنے خاندان کی خدمت غلط طریقہ سے کر سکتا ہوں بلا لحاظ ان تکالیف کے جو میری وجہ سے دوسروں کو پہنچیں گی۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ میں ایسی نوکری کروں جس میں مجھے لوگوں سے روپیہ اینٹھنے کا موقع ملے۔ اس کے ذریعہ میں مالدار ہو جاؤں ورنہ میں اپنے خاندان کے بہت سے ناجائز مطالبات کو پورا کروں۔ یہاں پر میں نہ تو خاندان کی خدمت کر رہا ہوں اور نہ

نہ سلطنت کی۔ یا میں یہ سمجھ لوں کہ خدا نے مجھے ہاتھ پاؤں صرف اسلئے دئے ہیں کہ میں ان کے ذریعہ اپنے لئے روزی کماؤں اور ان لوگوں کے لئے جو میرے متعلقین ہوں۔ اس وقت میں اپنی زندگی کو سادہ بنالونگا اور نیز انکی جن تک براہ راست میری پہونچ ہوسکتی ہے۔ اس صورت میں میں خاندانکی خدمت اورکسی کو ضرر پہونچائے بغیر کر رہا ہوں گا۔ اب فرض کیجئے کہ ہر شخص اس طرز زندگی پر عامل ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں ہمارا ملک بہترین بن جائے گا گو کہ سب اس درجہ پر ایک دم نہ پہونچیں گے لیکن ہم سے وہ لوگ جو اسے عملی جامہ پہنائیں گے، بدیہی طور پر اس مسرت بخش دن کی آمد کو قریب تر کردیں گے

زندگی کے اس نقشہ کے ماتحت اگر میں کسی دوسرے ملک کی خدمت کرنے کی بجائے محض ہندوستاں کی خدمت کروں تو میں کسی اور ملک کے مفاد کو نقصان نہ پہونچاؤنگا۔ میری حب الوطنی ایسی ہے جس میں دوسرے ممالک شامل نہیں ہیں اور ایسی بھی ہے جس میں دوسرے ممالک شامل ہیں اول الذکر اس معنی میں کہ میں اپنی توجہ اپنے وطن کی جانب نہایت عاجزی کے ساتھ منعطف رکھتا ہوں، لیکن موخر الذکر اس معنی میں کہ میری خدمت مقابلہ کی اسپرٹ سے معرا ہے "اپنی چیز کو اس طرح سے استعمال کرو کہ اس سے کسی دوسرے کی ملک کو ضرر نہ پہونچے" نہ صرف ایک اچھا قانونی نظریہ ہے بلکہ وہ زندگی کے ایک شاندار اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اہنسا، محبت کو بطریق مناسب عمل میں لانے کی کنجی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم جو ایک عظیم الشان مذہب کے محافظ ہیں،

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے بعد دوسری تحریک میں ان کے طرزِ عمل کی انتہائی شرافت کے بارے میں کبھی دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ وہاں انہوں نے اپنا روحانی مقصد حاصل کرنے کی غرض سے ہر قسم کی مادی طاقت کے مظاہرہ کو کلیتاً نظر انداز کر دیا ہے

پہلے اقتباس میں جو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے اس "خوفناک آزمائش" کی کیفیت پیش کی جا رہی ہے جس میں وہ اس وقت گذرنے پر مجبور ہوئے تھے جبکہ انھوں نے مجبوراً ایک چھوٹے سے عضو بریدہ بچھڑے کی تکلیف کو کم کیا تھا۔ وہ رقمطراز ہیں:۔

"سابرمتی آشرم میں کاؤ سروس سوسائٹی (گایوں کی خدمت کرنیوالی انجمن) کی طرف سے ایک چھوٹی سی بہترین قسم کی ڈیری اور ٹینری چلائی جانے کی کوشش عمل میں آ رہی ہے۔ اس سلسلہ میں جو کام ہو رہا ہے وہ ہر قدم پر ایسی ایسی پیچیدہ اخلاقی گتھیاں پیدا کر دیتا ہے جو پیدا نہ ہوتیں اگر خالصتاً اہنسا کے ذریعہ سچائی حاصل کرنے کے مطمحِ نظر کو جو آشرم کے سامنے ہے عملی جامہ پہنانے کا جوش موجود نہ ہوتا

مثلاً چند دن ہوئے ایک بچھڑا جسکے اعضا کی قطع و برید ہو چکی تھی آشرم میں حالتِ نزع میں پڑا ہوا تھا۔ جو علاج اور تیمارداری ممکن تھی وہ سب کی جا چکی تھی۔ سرجن نے جس سے اس معاملہ میں مشورہ لیا گیا تھا، ظاہر کر دیا تھا کہ صورتِ حالات نہایت مایوس کن ہے اور اب کوئی مداوا کارگر

جو مقدس دہشت بظاہر طاری ہوجاتی ہے اس کا مقابلہ ذرا ان کی کامل بے اعتنائی اور لاپروائی سے کیجئے جو وہ گونگے بے زبان مویشیوں کی دنیا پرنت نئے ہونیوالے مظالم کی جانب روا رکھتے ہیں تو آپ تعجب کرنے لگیں گے کہ آیا آپ اہنسا کی سرزمین میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں یا شعوری یا غیر شعوری ریاکاری کی دنیا میں

اب میں دوسرے ضروری مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس سے آشرم دوچار ہو رہا ہے اور جس میں اہنسا کا اصول مضمر ہے۔ بندروں کی مصیبت نے ناک میں دم کر دیا ہے اور اس مسئلہ کے فوری حل کرنے کی ضرورت سختی سے محسوس کی جا رہی ہے۔ اس خاص حقوق رکھنے والی جماعت کی خصوصی توجہ اُگی ہوئی ترکاریوں اور میووں کے درختوں کی جانب مبذول رہتی ہے اور اب ان کی مکمل تباہی قریب آن لگی ہے۔ ہماری تمام کوششوں کے باوجود ہم اس مصیبت کا موثر اور ساتھ ہی غیر متشددانہ علاج معلوم کرنے سے قاصر رہے ہیں

بندروں کو بھگا دینے کے خیال سے انہیں زخمی کر دینے کا خیال مجھے ناقابل برداشت معلوم ہوتا ہے اگرچہ میں انہیں مار ڈالنے کے سوال پر غور کر رہا ہوں بشرطیکہ اور کوئی چارۂ کار نہ رہے لیکن یہ مسئلہ قبل الذکر کی طرح سے سادہ یا آسان نہیں ہے

مجھے بعض بندروں کو بھگا دینے میں اہنسا کی صریح خلاف ورزی دکھائی دیتی ہے۔ یہ خلاف ورزی نسبتاً اور زیادہ ہو جائیگی اگر انہیں مار ڈالنے کی

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سن ۱۹۶۲ء میں برپا ہوئی

زندگی پر بہت سی قوتیں حکمرانی کرتی ہیں۔ اگر ہم صرف ایک عام اصول کے ذریعہ طریق عمل کا تعین کر سکتے جس کا اطلاق کسی وقت میں اتنا بدیہی ہوتا کہ اس کے لئے ایک منٹ کے غور کی بھی ضرورت نہ پڑتی تو زندگی کیسے آسان طریقہ سے کٹتی! لیکن میں کسی واحد فعل کا بھی تصور نہیں کر سکتا جس کا اس قدر آسانی کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکتا ہو

جنگ کا پکا مخالف ہونے کی وجہ سے میں نے اپنے آپ کو تباہی پھیلانے والے آلاتِ حرب کی تعلیم نہیں دی حالانکہ مجھے ایسی تعلیم کے بہت سے مواقع حاصل تھے شاید یہی وجہ ہو کہ میں انسانی زندگی کی براہِ راست تباہی کی ذمہ داری سے بچا رہا۔ لیکن جب تک میں حکومت کے کسی ایسے نظام کے ماتحت زندگی بسر کرتا ہوں جو قوت پر مبنی ہو اور برضا و رغبت اُن بہت سی آسانیوں اور حقوق سے بہرہ اندوز ہوتا ہوں جو اس نے میرے لئے پیدا کر رکھے ہیں۔ میں پابند ہو جاتا ہوں کہ جب حکومت کسی جنگ میں مصروف ہو میں اس کی انتہائی امداد کروں سوائے جبکہ میں اس حکومت سے عدم تعاون کر لوں اور ان حقوق سے جو وہ مجھے پیش کرتی ہے اپنی پوری قوت کیساتھ دستبردار ہو جاؤں

میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ فرض کیجئے کہ میں کسی ایسے ادارہ کا رکن ہوں جو چند ایکڑ زمین کا مالک ہے جس کی فصلوں کو بندروں سے فوری خطرہ کا سامنا ہو رہا ہے۔ میں ہر قسم کی زندگی کے تقدس پر ایمان رکھتا

[illegible]

[illegible]

جن کے ماتحت میرا ملک ہندوستان اپنی زندگی بسر کر رہا تھا وہ فی الحقیقت آزادی کی جانب گامزن ہو رہا ہے اور یہ کہ بحیثیت مجموعی برطانوی حکومت عام نقطۂ نظر سے کلیتاً بری نہیں ہے، اور یہ کہ برطانوی افسران تنگ خیال اور کم عقل ہونے کے باوجود ایماندار ہیں۔ یہ خیال رکھتے ہوئے میں نے وہ کام کرنا شروع کر دیا جسے عندالحالات ایک عام انگریز انجام دیتا ہے۔ میں اتنا عقلمند یا طاقتور نہ تھا کہ کوئی الگ کارروائی عمل میں لاتا۔ یہ میرا کام نہ تھا کہ میں وزرا کے فیصلوں کو جو عدالتی سنجیدگی رکھتے ہیں، تولتا یا ان پر نکتہ چینی کرتا۔ میں نے جنگ بوئر، زولو بغاوت یا جنگ عظمیٰ کے وقت وزرا سے کسی عناد کو منسوب نہیں کیا ہے، میں نے انگریزوں کو خصوصیت کیساتھ برا خیال نہیں کیا تھا اور نہ اب سمجھتا ہوں۔ اور نہ میں نے انہیں دوسرے انسانوں سے بدتر خیال کیا تھا۔ میرا خیال تھا اور اب بھی ہے کہ وہ دوسرے آدمیوں کی طرح بے غرضانہ جذبات اور اعمال کی اہلیت رکھتے ہیں اور ساتھ ہی وہ دوسروں کی طرح غلطیاں بھی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا میں نے محسوس کیا کہ بحیثیت انسان اور شہری ہونے کے میں نے سلطنت کے سامنے اس کی ضرورت کے موقع پر خواہ وہ مقامی ہو یا عام اپنی عاجزانہ خدمات پیش کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ سوراج کے زمانہ میں میں ہر ہندوستانی سے اسی طرز عمل کی توقع رکھوں گا۔ مجھے بہت دکھ ہوگا اگر ہر پیش آنے والے موقع پر ہم میں سے ہر ایک خود اپنے لئے قانون کی حیثیت اختیار

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بجانب ہوگا

دوسرے نکتہ یعنی اہمسا کا سمجھنا قدرے وقت طلب ہے۔ اہمسا کے بارے میں جو میرا تخیل ہے وہ مجھے ہمیشہ مائل کرتا ہے کہ میں اپنے آپ کو تقریباً ہر قسم کی جدّ وجہد سے جس میں میں آج کل مصروف عمل ہوں، جدا کرلوں۔ میری روح اس وقت تک مطمئن نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی ایک ظلم یا کسی ایک تکلیف کو بے بسی کے ساتھ دیکھتی رہے گی لیکن مجھ جیسے کمزور، نحیف الجثّہ اور دکھ زدہ شخص کے لئے ممکن نہیں کہ میں ہر غلطی کی اصلاح کردوں یا اپنے آپ کو ہر برائی سے جسے میں دیکھتا ہوں بری الذّمہ قرار دے لوں۔ میری اندرونی روح مجھے ایک طرف کو کھینچتی ہے اور میرا نفس مجھے بالکل اس کے مخالف سمت میں لیجاتا ہے۔ ان دونوں قوتوں کے عمل سے آزادی ممکن ہے لیکن وہ آزادی صرف تدریجی اور تکلیف دہ منازل کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔ میں مشین کی طرح عمل کرنے سے انکار کرکے آزادی حاصل نہیں کرسکتا بلکہ بے غرضانہ طریقہ سے سمجھ کے ساتھ یہ کشمکش نفس کے لئے ایک مسلسل عقوبت کی شکل اختیار کرلیتی ہے تاکہ روح کلیتاً آزاد ہوسکے

میں صرف ایک معمولی شہری کی طرح تھا جو اپنے ہم جنسوں سے زیادہ عقلمند نہ تھا، میرا یقین تو اہمسا پر تھا اور باقیوں کا اس پر ذرا بھی اعتقاد نہ تھا بلکہ وہ حکومت کی امداد کرنے کے اپنے فرض سے انکاری تھے اس لئے کہ غصہ اور عناد اس کے محرک تھے۔ وہ اپنی جہالت اور کمزوری کی وجہ سے

انکار کر رہے تھے۔ ایک رفیق کار ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہو گیا تھا کہ میں صحیح راستہ پر انہیں لے آؤں۔ اس لئے میں نے انہیں بتایا کہ ان کا صریح فرض کیا ہے، ان کے سامنے اصول اہمسا کی تشریح کی اور انہیں اختیار دیا کہ وہ جو راستہ اختیار کرنا چاہیں، اختیار کر لیں جسے انھوں نے قبول کر لیا۔ اہمسا کے بارے میں میں اپنے طرز عمل پر تائب نہیں ہوں۔ اس لئے کہ سوراج کے ماتحت بھی میں ان لوگوں کو جو ایسا کرنے پر تیار ہوں گے، مشورہ دینے میں تامل نہ کروں گا اور اس طریقہ سے ملک کے لئے جنگ کروں گا"

جنگ کے بارے میں میں ان کے استدلال کو بحث میں لائے بغیر وہیں کا وہیں چھوڑ دینے پر مجبور ہوں۔ اس سے مجھے تو اطمینان نہیں ہوتا، لیکن ان کے تجربہ میں خود ان کی حقیقی روح کے ذریعہ آزمائش اور جانچ کر لی گئی ہے اور وہ ابھی تک اس میں کوئی خامی نہیں پاتے۔ جب کبھی میں نے کوشش کی میرے لئے اس معاملہ میں انہیں یقین دلانا ممکن نہ ہوا ٹھیک جس طرح سے میں "بدیشی کپڑوں کی ہولی" کے "تشدد" کے متعلق مابعد کے زمانہ میں انہیں قائل نہ کر سکا۔ ان کا دوسرا فعل جو اہمسا کے صحیح مفہوم کے مخالف تھا، ایک اور باب کا موضوع ہے اور اس لئے میں نے وہیں ان کے خیالات کو پیش کر دیا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہی ہندوستان میں تشدد کی اسپرٹ کو پھیلنے سے روکنے کا واحد علاج ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ دیہات کے باشندوں کے ہاتھ میں ایک ایسی صنعت آجاتی ہے جو انہیں ان کے اوقاتِ فرصت میں مصروف بھی رکھیگی اور انہیں دن بدن زیادہ خوشحال بنادیگی۔ ان کی بنیادی حس جو انکی اپنی دیش ذات سے تعلق رکھتی ہے، یہ ہے کہ خدا مادّی چیزوں میں اور اقتصادی ضرورتوں کی تکمیل کے ذریعہ ملتا ہے اور یہ کہ فاقہ زدہ اشخاص کے روبرو خدا کی محبت کا وعظ کہنا اور ساتھ ہی ان کی حالت کی درستگی سے غفلت برتنا خود خدائے برتر کی توہین کرنا ہے

کھدر کے پروگرام کی جو تشریح خود انھوں نے فرمائی ہے وہ اس قدر جامع ہے کہ اسکے بعد کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ رقمطراز ہیں:۔ اُس امر کو اچھی طرح سے سمجھنے کے لئے کہ گھروں میں کاتنے کی تحریک کا مفہوم کیا ہے، سب سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس کے مفہوم میں کیا کیا باتیں داخل نہیں ہیں۔ مثلاً ہاتھ سے کاتنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ کسی موجودہ صنعت کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے اس غرض سے کہ بالآخر اس کی جگہ لیلے، اس کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے کامی شخص کو جو اور طریقہ سے اپنے کام سے زیادہ روپیہ پیدا کرسکتا ہے، اس کام سے ہٹادے۔ لہٰذا اس معاوضہ کا جو کاتنے سے حاصل ہوسکتا ہے، ایسی آمدنی سے مقابلہ کرنا جو کسی دوسرے کام سے مل سکتی ہو اور اس طرح سے اس کی اقتصادی اہمیت کو روپیہ پیسہ کی شکل میں تولنا صرف غلط فہمی پیدا کرسکتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہاتھ سے کاتنا اس امر کا

[illegible]

صوبہ اور پنجاب کے جہاں اوسط تقریباً ساڑھے دس ایکڑ ہے
انہی قلاش اور افلاس زدہ اراضیات پر ہندوستان کی تمام آبادی کا
۷۰ فیصدی حصہ بظاہر اپنی زندگی بسر کر رہا ہے۔ مردم شماری کی ایک رپورٹ
میں درج ہے کہ اس میں نہ تو کام کرنے والے کی پوری طاقت کام میں آتی ہے
اور نہ زمین پورے طور پر بار آور ہوتی ہے۔ مسٹر ٹامسن[1] (بنگال کی مردم
شماری) رقمطراز ہیں: برطانوی بنگال میں ... زراعت کا کام کرنے والے
اشخاص کی حقیقی تعداد ۱۱۰۶۰۶۲۹ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر کام کرنے
والے کے حصہ میں ۲ ر ۲ ایکڑ زمین آتی ہے۔ اسی قسم کے اعداد میں کاشتکار
کی مفلسی کی تشریح مضمر ہے۔ سوا دو ایکڑ سے کم اراضی کی کاشت ایک شخص کو
سال بھر میں صرف چند دن سے زیادہ کے لئے مصروف نہیں رکھ سکتی۔
کاشتکار چند دن تک ذرا زیادہ محنت کرتا ہے جبکہ اسے زمین میں ہل چلانا
پڑتا ہے اور بیج بونا پڑتا ہے اور دوبارہ جب اسے فصل کاٹنی پڑتی ہے
لیکن سال کے زیادہ حصہ میں اس کے پاس یا تو کام بالکل نہیں ہوتا، اور اگر
ہوتا بھی ہے تو بہت کم۔

مسٹر ایڈی[2] (صوبجات متحدہ کی مردم شماری) صوبہ کے کسان کے
بارے میں رقمطراز ہیں کہ چھوٹے چھوٹے وقفوں کے لئے اس کے پاس بہت
کام ہے اور ..... سال کے باقیماندہ ایام میں وہ تقریباً بیکار سا
رہتا ہے۔ عدم جد وجہد کے یہ اوقات بے کاری میں کٹتے ہیں۔

[1] THOMPSON [2] EDYE

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

لیکن اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ کاتنے کی بہت ہی حقیر مزدوری ملتی ہے اور اس طرح سے یہ ایک قسم کا اقتصادی زیان ہے۔ یہ امر فراموش کر دیا جاتا ہے کہ کاتنے کو اصل پیشہ کی حیثیت سے کبھی پیش نہیں کیا گیا ہے صرف ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے جو بصورت دیگر بیکاری میں اپنا وقت ضائع کرتے۔ یہ امر کہ آیا دو آنے یومیہ یا یوں کہو کہ ایک آنہ یومیہ یا ۲۴ روپے سال ایک حقیر اجرت[1] ہے، ایک ایسا معاملہ ہے جس کا اندازہ صرف وہی شخص لگا سکتا ہے جس نے عام باشندوں کا انتہائی فلاکت وافلاس کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو۔ ہندوستان کی فی کس آمدنی پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔ انڈین اکونومک انکوائری کمیٹی نے تقریباً پندرہ مستند اشخاص کے اندازوں کو نقل کیا ہے جو مختلف وقتوں میں کئے گئے تھے۔ جب سے دادا بھائی نوروزجی نے اس سنہری ہرنی[2] کا تعاقب کرنا شروع کیا ہے، اس وقت سے اور بھی بہت سے اشخاص نے انکی پیروی کی ہے لیکن اب تک کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہرنی اس کے ہاتھ آگئی ہے لیکن اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ جو تخمینہ بتایا گیا ہے وہ صحیح تخمینہ سے صرف بُعد کا تعلق رکھتا ہے، مثلاً مسٹر فنلے شیرس[3] کا تخمینہ ۱۱۶ روپے ہے تو پھر میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیا ۲۴ روپے کا اضافہ معقول اضافہ متصور نہیں ہوگا؟

[1] بمبئی کے مالکان مل کا بیان جو ٹیرف بورڈ کے سامنے دیا گیا

[2] یعنی یہ معلوم کرنا کہ ہندوستان کی تمام آبادی کی فی کس آمدنی کسقدر ہے

[3] FINLAY SHIRRAS

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] (٢)
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] (٥)
[illegible]
[illegible]
[illegible] (٣)
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہی ایسی چیز ہے جو مزدور کے گھر ہی پر غیر محدود اور فوری طریقے سے فروخت ہو جانے کی یقینی قابلیت رکھتی ہے۔ اور اس طرح سے نکبت زدہ کسان کی آمدنی کو مستقل اور باقاعدہ بنا دیتی ہے

۳— برسات کے حالات اس پر اثر انداز نہیں ہوتے اور قحط کے ایام میں بھی اسے جاری رکھا جا سکتا ہے

۴— یہ لوگوں کے مذہبی یا معاشرتی محسوسات کے مخالف نہیں ہے

۵— یہ قحط کا مقابلہ کرنے کی غرض سے ایک مکمل اور تیار ذریعہ ہے

۶— یہ کسان کی جھونپڑی میں کام کو پہونچا آتا ہے اور اس طرح سے اقتصادی تباہی کے حالات کے ماتحت بھی خاندان کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے روکتا ہے

۷— یہی ایک قوت ہے جو ہندوستان کی دیہی باشندوں کے مفاد کو ایک حد تک پھر بحال کر سکتی ہے جو اب تباہی کے قریب آن لگے ہیں

۸— یہ چیز جلاہے کے لئے اور کسان کے لئے ایکساں طریقہ سے مفید ہے اس لئے کہ ہاتھ سے بننے کی صنعت کے لئے یہی ایک مستقل اور پائدار بنیاد بہم پہونچاتی ہے، جو فی الحال اسی لاکھ سے ایک کروڑ آدمیوں کی روزی کا سہارا بنی ہوئی ہے اور ہندوستان کی پوشیدنی ضروریات کے تقریباً ایک

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] — ١
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] — ١١
[illegible]
[illegible] — ١٠
[illegible]
[illegible]
[illegible] — ٥
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] (٤)
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

جماعتیں ایک متحرک مجمع کی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں، اس وقت اخلاقی انحطاط کا آغاز ہوتا ہے۔ سرایڈورڈ کیرڈ؎ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ وہی نظام کا قیام ہی انضباط کے ذریعہ جان بچانے کا واحد ذریعہ ہے؛ اور یہ کسی اور ترکیب سے قائم نہیں رکھا جا سکتا جتنا کہ اس امر سے کہ قحط زدہ اشخاص کے دروازے تک امداد حاصل کرنے کے ذریعہ یعنی چرخہ کو لے جایا جائے۔ یہی وہ کام ہے جسے کم عمر والے اور زیادہ عمر والے، کمزور اور بیمار دن رات اور بغیر کسی تکلیف کے انجام دے سکتے ہیں

ڈاکٹر پی، سی، رے نے سنہ ۱۹۲۳ء میں مغربی بنگال کے سیلاب زدہ اور قحط زدہ علاقوں میں پہلے پہل دھان کا چھلکا اتارنے اور امداد پہنچانے کی دوسری صورتوں کی کوشش کی تھی۔ انھوں نے معلوم کیا کہ وہ بیکار ہیں اور اس کے بعد انھوں نے چرخہ کی آزمائش کی جس نے با حسن وجوہ کام دیا۔ جس بات کو نمایاں کامیابی کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چرخہ نے ان رقبوں میں اپنا گھر کر لیا ہے اور اس نے وہاں کے باشندوں کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ اپنی معمولی آمدنی میں اضافہ کر سکیں اور فصلوں کی خرابی اور سیلابوں کا بہ نسبت پہلے کے زیادہ موثر طریقے سے مقابلہ کر سکیں

اب تک ہم نے اس کام پر غور کیا ہے جو حاصل کیا جا چکا ہے۔ وہ کام بجائے خود مستقبل کے امکانات کا بہترین وعدہ ہے۔ لیکن یہ بات کہی جاتی

؎ Sir Edward Caird

[illegible]

[illegible]

۱۱۶۵ ملین پونڈ کے سوت کے لئے ۱۱ ملین تکلوں کی ضرورت پڑیگی۔ سوت کو کپڑے کی شکل میں تبدیل کرنے کی غرض سے ۲۱۵۶۵۵ ساپچوں کی ان ۱۱ ملین تکلوں اور ۲۱۵۶۵۵ ساپچوں کو چلانے کے لئے سرسری اندازہ کے مطابق ۶ لاکھ مزدوروں کی ضرورت پڑے گی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس صنعت سے زیادہ سے زیادہ ۲۵ لاکھ آدمیوں کی روزی کا سہارا ہوسکیگا اور یہ لوگ وہ ہیں جن کی خدمات سے زراعت ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیگی لہٰذا اس کی صنعت زیادہ سے زیادہ اتنے زراعت پیشہ اشخاص کو ان کے گھروں سے علیحدہ کرسکیگی۔ وہ ان میں سے ایک کو بھی کوئی مزید صنعت نہیں دے سکتی۔ لہٰذا ملیں چرخہ سے بالکل جدا ہیں اور ان دونوں میں کوئی تقابل نہیں ہوسکتا

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اگر اسی قدر کپڑا گھریلو صنعت کے ذریعہ پیدا کیا جائے تو کتنے اشخاص برسر کار ہوسکیں گے۔ ۱۱۶۵ ملین پونڈ سوت پیدا کرنے کے لئے کم سے کم ۴۶٬۶۰۰٬۰۰۰ چرخوں کی ضرورت ہوگی۔ جو ۲۵ پونڈ فی سال کے حساب سے سوت پیدا کریں گے۔ بالفاظ دیگر ۴۶٬۶۰۰٬۰۰۰ کاتنے والے کات کر اپنی آمدنیوں میں اضافہ کرسکیں گے۔ اس میں روئی اوٹنے والوں، روئی دھننے والوں، کلف لگانے والوں، رنگ ریزوں، بڑھئیوں لوہاروں اور تعلیم یافتہ منتظمینوں اور ۱۰۷۰۰۳۳ بننے والوں کا اضافہ کر دیجئے جن کی ضرورت اس صنعت کے قیام کے لئے پڑیگی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان کی زراعتی آبادی کا کم سے کم نصف حصہ (مجموعی زراعتی آبادی

۲۴۴ ملین میں سے ۱۰ سال سے کم عمر کے بچوں کی تعداد کو بقدر ۶۱۶۴
ملین کے خارج کر دیا گیا ہے)

جہاں تک کپڑا استعمال کرنے کا تعلق ہے، اس اہم صنعت کے لئے اس کی امداد و اعانت حاصل کرنا ہمیشہ ممکن رہا ہے اور ساتھ ہی اس صنعت کے لئے بھی یہ امر ہمیشہ ممکن رہا ہے کہ وہ اس کی روز افزوں ضرورت کے تناسب کو پورا کرتی رہے۔ یہ صنعت نہایت ضروری ہے اس لئے کہ اس کا تخیل ان اقتصادی امور پر ہے جو زندگی پر مبنی ہیں۔ ایک مصنف لکھتا ہے کہ اقوام کی اقتصادی حالت ایسی ہونی چاہئے جو انہیں زندہ رکھ سکے اب یہ ایک ایسی صنعت ہے جو ہندوستانیوں کو نہ صرف اس قابل بنا دیگی کہ وہ ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رہیں جو ایسی دولت پیدا کرنیوالی جو حقیقی اور مساوی طور پر تقسیم ہو سکے، ایسی دولت نہیں جو رسکن[1] کے خوبصورت الفاظ میں درحقیقت دور از کار تباہی کی سنہری علامت ہو، ایسے خراج کی دولت ہو جو ساحل پر سے حاصل کیگئی ہو جہاں سامان سے بھرے ہوئے جہاز کو دھوکہ دیکر بلا لیا گیا ہو کیا حکومت سے یہ توقع کرنا کہ وہ ایسی زندگی بخش صنعت کی حفاظت کریگی ضرورت سے زیادہ ہے؟ کیا اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ محض اسکی حفاظت کریگی بعینہٖ جسطرح سے پوسٹل سروس جیسی ضروری سروس کی حفاظت کا فرض اُسپر عائد ہوتا ہے۔ بعض ممالک میں یہ بات معمولی سمجھی جاتی ہے کہ میونسپلٹیوں کے منڈی کے حقوق کی حفاظت کیجائے اور کھدر کے بارے میں ہماری منڈی کے حقوق کی حفاظت کرنے میں حکومت صرف اپنے پیشروؤں کے گناہوں کی تلافی کریگی جنھوں نے اس ملک کی واحد ضروری صنعت کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

[1] RUSKIN

## باب نہم

# "ہماری اور انکی ذلّت"

جیساکہ بعد کو ظاہر ہوگا میں نے چھوت چھات کے اس باب کے لئے مہاتما گاندھی کا اپنا عنوان قائم رکھا ہے۔ ساتھ ہی میں اسے ایک اور معنی میں بھی استعمال کرنا چاہتا ہوں جوان کا کبھی نشانہ نہ تھا، کیونکہ جب ہم ہندوستانیں اچھوتوں کو کسی علیحدہ مقام پر رکھنے کا ذکر کرتے ہیں تو ہم دراصل اسوقت اپنی مغربی نسل اور رنگ کے مسئلہ سے بھی دوچار ہو جاتے ہیں جو ہمارے لئے باعثِ ننگ ہے بعینہ جس طرح سے کہ چھوت چھات ہندوستان کے لئے باعث شرم ہے۔

مغرب کے عیسائیوں کا کلیسا ہندو مذہب کی طرح دوسری نسل کے اشخاص کے ساتھ منصفانہ کارروائی اور فیاضانہ سلوک کرنے میں خوفناک طریقہ سے قاصر رہا ہے۔ وہ افریقہ اور دوسرے مقامات میں خود چھوت چھات کے مسئلہ سے دوچار ہو رہا ہے جسے وہ اب تک حل نہیں کرسکا

ہندو مذہب کے بہت سے شریف ترین مذہبی لیڈروں نے جن میں چیتنیا اور نانک خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، نسلی مساوات کی بہت کچھ کوشش کی ہے۔ گوتم بدھ نے حضرت عیسیٰؑ سے پانچ سو سال قبل اسکا اعلان کیا تھا

اور اچھوتوں کو اپنے مذہب میں داخل کرلیا تھا۔ لیکن یہ خرابی خوف اور نفرت کی نئی نئی شکلوں میں ظاہر ہوتی رہی ہے یہاں تک کہ اس کا نتیجہ نسلی علیحدگی کی صورت میں نکلا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں ظاہری عدم صفائی یا گندگی کا مذہبی تخیل بھی داخل ہو گیا ہے یہاں تک کہ جو علیحدگی ابتدا میں معاشرتی اسباب کی بنا پر عمل میں آئی تھی اس نے اب مذہبی جواز حاصل کر لیا ہے۔ اس طرح سے یہ برائی ہندو مذہب کے قلب میں ناسور کی طرح جڑ پکڑ چکی ہے بعینہ جس طرح سے کہ بعض ممالک میں رنگ کا تعصب عیسائیوں کے کلیسا کے قلب میں پیدا ہو گیا ہے

جدید ہندوستان کے ہندوؤں میں پانچ کروڑ سے زیادہ اشخاص ہندو مذہب میں خارج شدہ یا اچھوتوں کی حیثیت سے داخل سمجھے گئے ہیں۔ موخر الذکر اصطلاح اس لئے استعمال کی جاتی ہے کہ اس نظریہ کے مطابق جو عام لوگوں میں پایا جاتا ہے اور حال میں اسے خود مذہب کا جزو خیال کر لیا گیا ہے، اونچی ذات کے ہندو کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ اتفاقاً ان اچھوتوں میں سے کسی سے چھو جائے تو اسے اپنے آپ کو پاک کرنے کی غرض اشنان کرنا چاہئے۔ جس قعر مذلت میں یہ اچھوت گر گئے ہیں، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ان میں کی ایک بڑی تعداد مردار اور غلیظ چیزیں کھاتی ہیں اور نیز وہ جھوٹا کھانا جو اعلیٰ ذات کے لوگوں کے دسترخوان سے بچ رہتا ہے۔ ان کے مکانات جو اعلیٰ ذات کے اشخاص کے مکانات سے جدا ہوتے ہیں، درحقیقت جانوروں کے بھٹ ہیں جو انسانی بود و باش کے

بالکل ناقابل ہوتے ہیں مگر جنوبی ہندوستان میں جن حالات کے ماتحت وہ زندگی بسر کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ خوفناک ہیں

مجھے یاد ہے کہ جب میں مالابار میں ایک غریب اچھوت عورت کے قریب گیا جو اپنی جھونپڑی میں اپنے تین نیم فاقہ زدہ بچوں کو لئے ہوئے پڑی تھی، در جس کی بغل میں ایک سوکھا ساکھا بچہ بھی تھا، وہ کس طرح ایک خوفناک طریقہ سے چلائی حالانکہ میں کھدر کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور کوئی وجہ ایسی نہ تھی جس کی وجہ سے وہ مجھے کوئی سرکاری افسر سمجھتی اسے یہ خوفناک خیال دامنگیر تھا کہ کہیں وہ اپنی موجودگی سے مجھے گندا نہ کرے اور یہ کہ پھر میں انتقام کے طور اسے جسمانی اذیت نہ پہونچاؤں۔ یہ صدمہ میرے لئے اس قدر شدید تھا کہ اس کا خوف زدہ چہرہ کئی دن تک مجھے نظر آتا رہا

میں نے یہ سیدھی سادی کہانی اس غرض سے بیان کی ہے کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ ان غریب آدمیوں پر سے خوف کا کتنا زبردست بوجھ اٹھانا باقی ہے اس سے پیشتر کہ انہیں آزادی حاصل ہو اور انہیں بہن بھائی خیال کیا جا سکے

یہ مسئلہ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، ایسا نہیں ہے کہ اُس کا اثر صرف ہندوستان پر ہی پڑتا ہو۔ دنیا کے مختلف حصص میں مثلاً جنوبی افریقہ اور امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں رنگدار اقوام کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ اپنے اندر وہ تمام عناصر رکھتا ہے۔ جو ہندوستان میں زمانہ سلف میں

چھوت چھات بنانے میں صرف ہوئے ہیں، حبشیوں میں سنگسار ہو جانے کا خوف جہاں کہیں دہشت انگیزی نے اپنا کام کیا ہے، اس خوف سے زیادہ مختلف نہیں ہے جو مالابار کی عورت کے چہرے سے عیاں تھا۔ دونوں صورتوں کی تہہ میں جو جذبہ کام کر رہا ہے وہ علم النفس کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ بدقسمتی سے جو ہندوستانی جنوبی افریقہ گئے ہیں، وہ مختلف طریقوں سے علیحدہ رکھے جاتے ہیں وہ معاشرتی علیحدگی کے مشابہ ہیں جو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور اچھوتوں میں پائی جاتی ہے۔ مسٹر گاندھی یہ بتانے سے کبھی نہیں جھکتے کہ یہ سب کچھ چھوت چھات کے گناہ کی جائز سزا ہے۔ انھوں نے موقع بے موقع اس امر کا اعلان کیا ہے کہ ہندوستان سوراج حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس کے باشندے اس لعنت کو اپنے میں سے دور نہ کر دینگے ذیل کے اقتباسات ان کی ایک تقریر سے ماخوذ ہیں جو خود اچھوتوں کے روبرو کی گئی تھی وہ فرماتے ہیں:-

"میں چھوت چھات کو ہندو مذہب پر ایک بہت بڑا دھبہ تصور کرتا ہوں۔ یہ خیال محض اس تلخ تجربہ کی بنا پر پیدا نہیں ہوا جو جنوبی افریقہ کی کشمکش میں مجھے حاصل ہوا تھا

اس کی وجہ یہ بھی نہیں ہے کہ میں ایک زمانہ میں دہریہ رہ چکا ہوں اسی طرح یہ خیال کرنا غلطی ہے جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ میں نے یہ خیالات عیسائیوں کی مذہبی کتابوں سے اخذ کئے ہیں۔ اس مسئلہ پر میرے خیالات اس زمانہ سے شروع ہوتے ہیں جبکہ میں نہ تو بائیبل کا شیدائی

تھا۔ اس سے یا اس کے پیرو ؤں سے واقف تھا

میری عمر مشکل سے بارہ برس کی ہوگی کہ یہ خیال یکایک میرے دل میں پیدا ہوا۔ اوکا نامی بھنگی جو ایک اچھوت تھا، ہمارے گھر میں پاخانہ صاف کرنے آیا کرتا تھا۔ میں نے متعدد بار اپنی ماں سے پوچھا کہ اسے چھونا کیوں بُرا ہے اور یہ کہ مجھے اس کے چھونے سے کیوں منع کیا جاتا ہے۔ اگر کبھی اتفاقیہ طور سے میں اوکا کو چھو لیتا تھا تو مجھے اشنان کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اور اگرچہ قدرتاً میں اس حکم کی پابندی کرتا تھا تاہم میں مسکرا کر اپنی صدائے احتجاج ضرور بلند کر دیتا تھا کہ مذہب میں چھوت چھات کی اجازت نہیں ہے اور یہ کہ یہ امر ناممکن ہے کہ ایسا ہو۔ میں بڑا فرض شناس اور فرمانبردار لڑکا تھا لیکن اپنے والدین کا احترام کرتے ہوئے بھی میں نے اس مسئلہ پر ان سے بارہا سخت بحثیں کیں۔ میں نے اپنی والدہ سے کہہ دیا کہ اوکا سے چھو جانے کو گناہ خیال کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ ایسی چیز گناہ نہیں ہو سکتی

اسکول کے زمانہ میں میں اکثر اچھوتوں کو چھو لیا کرتا تھا، اور چونکہ میں اپنے والدین سے یہ واقعہ کبھی نہیں چھپایا کرتا تھا، میری والدہ مجھ سے کہا کرتیں کہ ناپاک چھوت کے بعد پاک و صاف کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ میں کسی مسلمان کو چھو کر اس کے اثر کو زائل کر دوں۔ اس لئے محض اپنے والدہ کے احترام اور لحاظ کی وجہ سے میں نے اکثر اوقات ایسا کیا لیکن میں نے کبھی یہ یقین نہیں کیا کہ ایسا کرنا مذہب کی رو سے ضروری ہے

اپنشدوں کو ترجمہ کی شکل میں پڑھا ہے۔ جو مطالعہ میں نے کیا ہے اسے قدرتی طور پر فاضلانہ نہیں کہا جا سکتا۔ میرا مطالعہ ان کتابوں کا بہت گہرا نہیں ہے لیکن میں نے ہندو کی حیثیت سے ان کا مطالعہ کیا ہے۔ اور میرا دعویٰ ہے کہ میں نے ان کی روح کو دریافت کر لیا ہے۔ اکیس برس کی عمر تک میں نے دوسرے مذاہب کا بھی مطالعہ کر لیا تھا

ایک زمانہ تھا کہ میں ہندو دھرم اور عیسائیت کے درمیان ڈانواڈول ہو رہا تھا جب مجھے توازن دماغی حاصل ہو گیا تو میں نے اس وقت محسوس کیا کہ میری نجات صرف ہندو دھرم کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور ہندو مذہب پر میرا ایمان اور زیادہ پختہ اور روشن ہو گیا۔ لیکن اس وقت بھی میرا عقیدہ یہ تھا کہ چھوت چھات میرے لئے نہیں ہے

جب تک ہندو چھوت چھات کو جان بوجھ کر اپنے مذہب کا جزو خیال کرتے رہیں گے، جب تک عام ہندو اپنے بھائیوں کے ایک طبقہ کو چھونا بھی گناہ خیال کریں گے، سوراج ناممکن الحصول رہیگا

لیکن میں ابھی تک مایوس نہیں ہوا ہوں۔ میں نے معلوم کر لیا ہے کہ مہربانی کی اسپرٹ جس کا ذکر تلسی داس اس فصاحت و بلاغت کے ساتھ کرتا ہے جو جین مذہب اور وشنوی مذہب کی سنگِ بنیاد ہے، جو بھگوت[1] کی روح ہے

[1] ہندوؤں کی ایک مذہبی کتاب جسے دیہات کے لوگ اس کی فیاضانہ محبت، معانی اور شغف کی وجہ سے بہ نظرِ محبت دیکھتے ہیں۔ اور جس کا بسا اوقات گھروں میں پاٹھ کیا جاتا ہے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

آپ کو محسوس کرنا چاہئے کہ آپ ہندو سوسائٹی کو پاک کر رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ اپنی زندگیوں کو پاک کریں۔ آپ کو صفائی کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ کوئی شخص آپ پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ آپ میں سے بعض شراب خواری اور جوئے بازی کی عادات میں مبتلا ہیں، ان سے آپ کو اجتناب کرنا چاہئے

آپ لوگ ہندو ہونے کے دعویدار ہیں۔ آپ ہندوؤں کی مذہبی کتابیں پڑھتے ہیں۔ اس لئے اگر ہندو آپ پر ظلم کریں تو اس وقت آپ کو سمجھ لینا چاہئے کہ قصور ہندو دھرم کا نہیں ہے بلکہ ان کا ہے جو اس کے پیرو کہلاتے ہیں۔ اپنے تئیں آزاد کرانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے آپ کو پاک و صاف رکھیں۔ آپ کو شراب پینے اور مردار کھانے جیسی خراب عادات کو ترک کر دینا چاہئے۔ میں سارے ملک کے اچھوتوں سے ملا ہوں اور میں نے غور سے دیکھا ہے کہ اُن میں عظیم الشان طاقتیں پنہاں ہیں جن سے نہ وہ خود نہ باقی ہندو واقف ہیں۔ ان کا ذہن نہایت صاف ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کاتنا اور بننا سیکھ لیں اور اگر اسے بطور پیشہ کے اختیار کر لیں گے تو آپ افلاس کو ہمیشہ اپنے سے دور پائیں گے۔

اب آپ کو تھالیوں میں سے جھوٹا کھانا قبول کرنے سے انکار کر دینا چاہئے خواہ وہ کتنی ہی صاف کیوں نہ ہوں۔ آپ صرف اناج قبول کر لیا کریں اچھی قسم کا صحت بخش اناج نہ کہ سڑا ہوا اناج، اور وہ بھی صرف اسوقت جبکہ وہ محبت و اخلاق کیساتھ پیش کیا جائے اگر آپ یہ سب کچھ کر گزریں گے جس کی درخواست میں نے آپ سے کی ہے تو آپ اپنی آزادی حاصل کر لیں گے

کرتب ختم ہوا میں نے ایک ترجمان کو بلایا دوست سے نزدیک آنے کے لئے کہا اور اس سے باتیں کرنی شروع کردیں

وہ اچھوت تھا جو چھ میل پرے کسی گاؤں میں رہتا تھا اور چونکہ وہ لڑکیوں کا گٹھر بیچنے کے لئے بولگنڈہ آیا ہوا تھا اور میری آمد کا حال سن چکا تھا اس لئے وہ مجھ سے ملنے کے لئے آیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ اس نے تنکا منہ میں کیوں ڈالا تو اس نے جواب دیا کہ یہ کام میری عزت افزائی کے لئے کیا گیا تھا۔ میں نے مارے شرم کے اپنا سر جھکا لیا۔ اس عزت افزائی کی قیمت میری طاقت برداشت سے باہر تھی۔ میری ہندوانی اسپرٹ کو اس سے سخت ندامت ہوئی

میں نے اس سے ایک تحفہ طلب کیا۔ اس نے اپنی کمر میں پیتل کے سکے تلاش کرنے شروع کئے

'مجھے تمہارے پیسوں کی ضرورت نہیں میں تم سے اس سے بہتر چیز طلب کرتا ہوں' میں نے اس سے کہا

'میں ضرور دوں گا' اس نے جواب دیا

میں نے اس سے معلوم کرلیا تھا کہ وہ شراب پیتا ہے اور مردار کھاتا ہے کیونکہ وہاں کی رسم ہی یہ تھی

'جو تحفہ میں تم سے طلب کرتا ہوں وہ وعدہ ہے کہ تم آیندہ دنیا کے کسی آدمی کے لئے یہ تنکا منہ میں نہیں ڈالوگے۔ ایسا کرنا انسان کے لئے باعث ذلت ہے۔ یہ کہ تم کبھی شراب نہیں پیوگے کیونکہ وہ انسان کو حیوان کے درجہ تک لے آتی ہے، یہ کہ تم کبھی مردار نہیں کھاؤگے کیونکہ یہ ہندو دھرم کے خلاف ہے اور کوئی شایستہ آدمی مردار کھانا پسند نہیں کریگا'

'لیکن میرے لوگ مجھے برادری سے خارج کردیں گے اگر میں شراب نہ پیونگا

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

ایک دوسرے موقع پر قریب قریب ایسا ہی جھگڑا خاوند اور بیوی کے درمیان جنوبی افریقہ میں اپنے گھر میں ایک نوجوان کلرک رکھنے پر ہوا جو اچھوت جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔ جھگڑے کی بنا اس سوال سے شروع ہوئی کہ ان برتنوں میں یہ اچھوت کھانا کھاتا تھا اسے دھوئے کون۔ یہ ان شاذ مواقع میں سے ایک تھا جب مسٹر گاندھی نے اپنی بیوی سے نہایت سختی کے ساتھ اظہار ناراضگی کیا اور اس کا اقرار خود نوشت سوانحعمری میں گہری ندامت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ان جھگڑوں سے ہم پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ تعصبات کس سختی کیساتھ اب تک قائم و موجود ہیں۔

میں مختلف اوقات میں عرصۂ دراز تک جنوبی افریقہ میں رہ چکا ہوں اور مجھ پر انسانی فطرت کی ان دو خلاف عقل مگر بہ لحاظ تعصب نہایت طاقتور قوتوں کی مشابہت کا بہت زیادہ گہرا اثر پڑا ہے۔ ہندوستان میں ذات پات کے احساسات کا اور جنوبی افریقہ میں نسلی تعصب کا

ایک دن ٹراونکور میں خود اچھوتوں نے ایک قاصد کے ذریعہ سے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں ان سے ملنے کے لئے تیار رہوں۔ انھوں نے میرا ذکر "گاندھی کے بھائی" کی حیثیت سے سن رکھا تھا اور اس لئے انھوں نے مجھے پیغام بھیجا تھا۔ میں نے بڑی مسرت کیساتھ ان کے اس دعوت نامہ کو قبول کر لیا اور جب میں دوپہر کے وقت ان کے یہاں پہونچا تو میں نے دیکھا کہ کوئی تین ہزار آدمی جمع ہیں۔ گاندھی کے بعض نہایت پرجوش پیرؤں کیساتھ جو اس وقت میرے ساتھ تھے، ہم اچھوتوں کی قطاروں میں پھرتے رہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تین میں سے ایک شخص جو میرے ساتھ شامل تھا، مارتھوما سیمینری کا پرنسپل تھا۔ دوسرا ایک ڈاکٹر رومن کیتھولک پادری تھا اور تیسرا شامی عیسائی کلیسا کا پرجوش طرفدار تھا۔ اور ساتھ ہی مہاتما گاندھی کا بھی پیرو تھا۔ میرے ساتھ دو اور اشخاص تھے جو ہندو تھے

حالات اب بہتر ہو گئے ہیں۔ الوئی کا یونین کالج جہاں شامی کلیسا کے ممبران لبرل قسم کی اعلیٰ تعلیم دینے میں مصروف رہتے ہیں اور دوسرے عیسائی ادارے نہایت سرعت کیساتھ نوجوان نسل میں سے اس شرم اور ذلت کو دور کر رہے ہیں۔ یہی بات بت سے شریفانہ ہندو اداروں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے لیکن مالاباری ساحل کے قریب کے مقامات میں ہندوؤں اور عیسائیوں میں یہ برائی یکساں طور پر نہایت خوفناک حالت میں اب بھی موجود ہے، اور آج بھی ایسے نظارے دیکھنے میں آسکتے ہیں جو انسانی دلوں میں دہشت پیدا کر دیں گے

مہاتما گاندھی کی مدراس کی تقریروں میں اسی دہشت کی گونج موجود ہے جس کی جانب میں اپنے تبصرہ میں ہندوؤں اور عیسائیوں کے طرز عمل کے بارے میں اشارہ کر چکا ہوں۔ وہ رقمطراز ہیں :-

"ہندوستان میں کہیں بھی اچھوت کیساتھ ایسا ظالمانہ برتاؤ نہیں ہوتا جیسا صوبہ مدراس میں دیکھنے میں آتا ہے۔ اسکا سایہ تک برہمنوں کو ناپاک کر دیتا ہے اسے برہمنوں کی سڑکوں پر سے گذرنے کی اجازت نہیں ہے۔ غیر برہمن بھی اس سے کسی قسم کا بہتر سلوک نہیں کرتے۔ ان دونوں پاٹوں میں غریب پنچم (اور یہ وہ نام ہے جس سے وہ ان علاقوں میں موسوم ہے) پس کر رہ گیا ہے۔ باوجود اس کے مدراس اپنے بڑے بڑے شاندار مندروں اور مذہبی شغف کیلئے مشہور رہے۔ وہاں کے لوگوں کی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]